سعدیہ عزیز آفریدی

اوک میں سورج

پارس اور کندن



سعدیہ عزیز آفریدی

اوک میں سورج

مکمل ناول

میرا خیال تھا جس نے ایک بار شزا احسام کو دیکھ لیا ہو اس کے لیے زندگی کو معنی دینا کبھی مشکل نہیں ہو سکتا تھا وہ ہم سب کے گروپ میں بے حد شارپ بے حد اسمارٹ اور سب سے بڑھ کر جینئس تھی اس کے بابا لیڈر ٹائزنگ کمپنی کے مالک تھے لیکن ہماری دوستی کی بنیاد اس کے بابا کا بزنس کبھی نہیں رہا تھا میں **علینہ** حماد، ثاقب مرتضیٰ، شیراز احمد اور نگینہ تیمور ہم سب کا آپس میں کوئی بھی تعلق بزنس کا نہیں تھا ہم کالج سے لے کر یونیورسٹی تک ایک دوسرے کی باتوں کے دلدادہ تھے شزا کو نئے نئے سوانگ بھرنے کا کریز تھا تو میں شاعری کی دلدادہ ثاقب مرتضیٰ کو بہترین تفریح اسکیچنگ اور کارٹونز بنانے میں محسوس ہوتی وہ بہت مزے مزے کے کارٹون بنایا کرتا تھا شیراز احمد کو اناؤنسمنٹ کی فیلڈ بہترین لگا کرتی تھی اور نگینہ تیمور وہ ایک اچھی رائٹر بننے کی تڑپ میں مری جاتی تھی۔

ہم سب الگ الگ موضوع رکھتے تھے سوچ کے شاید زاویے بھی بہت الگ تھے لیکن بہرحال پھر بھی ہم میں ایک چیز تھی مشترکہ چیز جو ہمیں ایک دوسرے سے جوڑے رکھتی شاید آپ سمجھیں جبران نہیں ہم میں جبران نہیں محبت ایک ایسا ٹاپک تھا کہ ہم گھنٹوں اس موضوع پر بولتے رہتے اور کبھی نہیں تھکتے۔

شزا ہم سب میں اس موضوع پر سب سے بہترین خطیب تھی وہ گھنٹوں محبت محبت کرتی اور پھر ایک بلند آہنگ قہقہہ اس کے گرد حصار ہو جاتا۔

"چھوڑو یار یہ محبت وحبت سب ٹائم پاسنگ ہے۔"

میں اسے آنکھیں دکھاتی تو وہ ہنس کر مجھے بازوؤں سے تھام لیتی۔

"اوئے **علینہ** حماد پتا نہیں محبت خوب صورت ہے یا نہیں پر جب تو اس کے خلاف سن کر مجھے گھور کے دیکھتی ہے ناں تو تیری آنکھیں غضب لگتی ہیں دل کہتا ہے محبت اگر اتنی خوب صورت ہے تو کاش مجھے بھی ہو جائے۔"

"**علینہ** یہ تجھے کہتی ہے ورنہ کل ہی تیری آنکھوں پر کہہ رہی تھی **علینہ** کی آنکھوں کو دیکھ کر یوں نہیں لگتا جیسے انہیں پیلیا ہو گئی ہو۔"

"شزا صرف میری آنکھوں کی ہتک ہے۔" میں قریب ہو کر اس کی بولی کھینچ لیتی تو وہ مسکرا کے کہتی۔

"تیری پوری شخصیت میں صرف آنکھیں ہی تو ہیں جن کی عزت افزائی کی جا سکتی ہے۔"

عزت افزائی کے لطیفے پر وہ سب مل کر ہنسنے لگتے اور مجھے وہ سب منظر بہت اچھا لگتا **علینہ** حماد کہیں غائب ہو جاتی اور بس مسکراہٹ رہ جاتی مگر یہ سب کچھ کیسا خواب جیسا لگتا ہے ناں!

شاید واقعی خواب جیسا لیکن ہم لوگ اس زمانے میں خواب نگر ہی کے باسی تھی ہمارے لیے زندگی دو ٹوک تھی خوش رہو اور خوب جیو اور شزا احسام ابھی

موٹو کی سب سے بڑی حامی تھی اکثر ہمارے لیے ایکٹوٹیز کی پلاننگ وہ ہی کرتی تھی اسے شرارتیں کرنے کا کریز تھا ادھر پھلجھڑی چھوٹی ادھر دھماکہ ہوا اور پس منظر سے جو شریر چہرہ بلند ہوتا وہ ہم سب کی کیوٹ شزا احسام ہوتی شیراز مرتضیٰ اس کی حرکتوں کو دیکھتا تو کہتا۔

"شزا یار تیری اولاد کسی کمپنی کے لیے بور نہیں ہو گی جب مرضی ہو گا سولو ڈرامہ آن جو دل چاہے گا تو تیری پرسنالٹی میں انہیں دنیا کا بہترین کامیڈین بھی دیکھنے کو مل جائے گا۔"

"واہ کامیڈین ماں کی جوکر اولاد واہ واہ۔" ثاقب مرتضیٰ خواہ مخواہ چڑانے لگتا تو وہ موڈ آف کیے بغیر ہمارے قریب آ بیٹھتی۔

"واہ واہ کارٹونسٹ والد بزرگوار کے کارٹونز سیریز واہ بھئی واہ۔" وہ چٹخارے لینے لگتی اور ہم سب ہنستے ہوئے زندگی گزارتے آگے کا سفر جاری رکھے چلے جاتے پھر یہ سفر نہایت سبک رفتار ہی تھا کہ اچانک شیراز احمد ایک نئے ریڈیو چینل میں ڈی جے بن گیا۔

"تم نے جو سوچا تھا تم نے بالا آخر پا ہی لیا۔" ہم سب نے مشترکہ اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور وہ خواب



آنکھوں میں لیے اپنے مقصد میں جت گیا بظاہر پہلے زندگی بہت تیز تھی لیکن ہمیں دھیرے دھیرے لگنے لگا تھا کہ زندگی ہمارے ان قدموں سے زیادہ تیز ہو گئی ہے اتنی تیز کہ ہم اس کا ساتھ بھی نہیں دے پا رہے ہیں۔

"یہ ہمارا شیراز ہم سے کچھ بچھڑ نہیں گیا ہے۔" بالآخر ہم سٹرڈے نائٹ میں اپنے پسندیدہ ہوٹل میں ڈنر کرنے جمع ہوئے تو ثاقب مرتضیٰ نے سوال اٹھایا۔

"ہاں اب تو وہ یونیورسٹی میں بھی بہت کم دکھائی دیتا ہے۔"

"کیا وہ یونیورسٹی بنک کر چکا ہے۔" نگی نے سہولت سے چکن جلفریزی کی ڈش اٹھائی اور شزا حسام اطلاع دینے لگی۔

"وہ یونیورسٹی آتا ہے مگر ہمارے پاس گزارنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کیا وہ بہت بڑا ڈی جے بن گیا ہے۔" میں جھنجلائی اور ثاقب مرتضیٰ۔ اس کا موبائل نمبر رنگ کرنے لگا مگر ایک دو تین پوری پانچ بیل پر اس کی آواز گونجی۔

"ہیلو میں شیراز احمد بول رہا ہوں فی الحال میں موجود نہیں ہوں مہربانی فرما کر اپنا میسج نوٹ کروا دیں۔"

"واٹ لعنت ہے ایسی دوستی پر۔" اس نے خجالت سے ہم تینوں کو دیکھا ہم سب کے چہرے بھی پہلی مرتبہ پوری طرح غصے سے تن گئے۔

"یہ شیراز احمد خود کو سمجھتا کیا ہے ہم اس کے اب کچھ بھی نہیں رہے آخر ایسا کیا کرنے لگا ہے وہ کہ ہمارے لیے بھی اس کے پاس ریکارڈ پروگرام ہی بچا ہے۔" مجھے ثاقب مرتضیٰ سے زیادہ غصہ آیا دراصل میں ضرورت سے زیادہ حساس واقع ہوئی ہوں مجھے لفظوں کا جذبوں کا بہت جلد اظہار کرنا اور اس کی گہرائی میں اترنے کی اتنی عادت ہے کہ کبھی کبھی میں اپنی اس عادت سے عاجز ہی آجاتی ہوں میری مرضی کے خلاف ہو جانے والا کام مجھے گھنٹوں نہیں دنوں ڈیپ ہارٹ رکھتا ہے اور شیراز احمد کی یہ حرکت مجھے واقعی بہت بری لگی تھی۔

"بل پے کر دیں کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا کہیں راستے میں سے برگر لیں گے۔"

"باہر چلتے ہیں کوک برگر اور بعد میں آئس کریم۔"

"ہاں یہ صحیح ہے۔" میں نے چٹکی بجا کر باقی بگڑ جانے والے موڈ کو بہتر کیا مگر یہ بات ثاقب مرتضیٰ نے تو نہیں کی تھی ہم چاروں نے دیکھا اور شیراز احمد نگینہ تیمور کی کرسی پر ہاتھ دھرے ہماری بدمزاجی سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"کتنی جلدی رنگ بدلتا ہے آسماں کیسے کیسے۔" اس نے کرسی کھسکائی اور بالکل میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"تم بہت بدگمان لڑکی ہو اتنی جلدی دوستی پر لعنت حرف کہہ کر دور جا کھڑی ہو میں مجھے تم سے تو یہ امید نہیں تھی علینہ..." وہ جانتا تھا مجھے اس کے لفظ اور لہجے کس طرح باندھ لیتے ہیں سو ڈائریکٹ مجھے بہت کرنے لگا اور نگینہ تیمور منہ پھلائے کہہ رہی تھی۔

"علینہ کی بات چھوڑو اسٹوپڈ کزن یہ بتاؤ آج کل کن ہواؤں میں ہو۔"

"کراچی کی نمکین ساحلی ہواؤں میں سسٹر تم کہو تم نے کتنی مرچیں چبائی تھیں میری حمایت سے بھلا اور میری ریپوٹیشن خراب کرنے پر تل گئیں۔" اس کی آنکھیں سیدھی مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے ان آنکھوں کے حصار میں رہنا کتنا پسند تھا اگر کوئی زندگی کے بدلے یہ حصار میرا کر دینے کا دعویٰ کرتا تو میں زندگی دان کر دیتی۔

"اے فلاسفر کہاں گم۔" وہ اب مجھ سے مخاطب تھا سو مجھے حال میں لوٹ آنا پڑا۔

"ناراض ہو۔" وہ عموماً "میرے موڈ سے ناراضگی ایسے ہی مارک کر لیا کرتا تھا میں خاموش اسے دیکھے گئی تھی۔

"کیا ہے یار علینہ یہ بوتھا کیوں سوجھا رکھا ہے ناراض ہو تو بھئی سب کی طرح بولو ناراض ہوں۔"

"کیا میرے ناراض ظاہر ہونے سے آپ کی بے نیازی میں کچھ فرق پڑنے والا ہے اعلیٰ حضرت۔" میں نے قدرے کھردرے لہجے میں سوال داغا اور وہ ہنسنے لگا اسے میرے اس لہجے پر ہمیشہ ہی ہنسی آتی تھی جیسے مجھے ناراض ہونے کا ہنر نہیں آتا یا وہ اتنا اہم ہے میرے لیے کہ میں اس سے خفا نہیں ہو سکتی۔

"تم اور مجھ سے ناراض ہو جاؤ میں اس پر کبھی مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا۔" وہ اب بالکل میرے سامنے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا تبھی نگینہ تیمور نے اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر کہا۔

"تم یہ تمہیں مرنے کون دینے والا ہے جو اس لفظ سے علینہ کو بلیک میل کر رہے ہو۔"

"اچھا تو اگر مرنے لگا تو تم روک لو گی مجھے کیا تم اس پر قادر ہو۔"

نگینہ تیمور کی ہنسی دلکش یاد کی طرح اس کی آنکھوں میں مسکرانے لگی۔

"یہ جو ہماری علینہ حماد ہے ناں مجھے یقین ہے اس کے ہوتے ہوئے تم مرنے پر کوئی مقالہ نہیں لکھنا چاہو گے تمہارا دل کرے گا تم زندگی جیو زندگی لکھو اور رنگ نہاؤ اور......"

"ارے واہ تم تو اچھی خاصی افسانہ نگار افسانہ نگار سی لگنے لگی ہو سچ بتاؤ کہاں سے چرائے یہ لفظ۔" وہ مجھے چھوڑ کر نگینہ تیمور پر سیدھا ہو گیا اور میں نے گہری لمبی سانس کھینچ کر اتنی دیر کی دل میں ہونے والی اتھل پتھل کو نارمل کیا۔

"یہ شخص جب بھی صرف مجھے دیکھنے لگتا ہے مجھ سے کہنے لگتا ہے تو ہر لفظ جیسے سر بن کر مجھ میں تال پہ تال دیے جاتا ہے ایک رقص سا ہونے لگتا ہے اتنا تیز اتنا تیز کہ مجھے اپنی روح تک اس رقص کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ جھنجھناتی محسوس ہوتی ہے۔"

"وہ پروگرام کیا ہوا۔" بلا آخر میں نے متوازن لہجے میں ابھی کے تبدیل شدہ پروگرام پر بات چھیڑی اور شیراز احمد شرارتی ہو کر واپس میری طرف پلٹ آیا۔

"پروگرام! ابھی تک وہی ہے تین سال سے جو ایک بات پر مرد میدان کی طرح جم گئے تو پھر ایک انچ نہ ہلا سکا نہ یہ زمانہ نہ ہی کسی کی بے نیازی۔"

دل پھر سے تیز رفتاری کے سارے ریکارڈ توڑنے لگا تھا اور وہ میرے رد عمل سے حظ اٹھاتے ہوئے پھر سے بولا تھا۔

"چلیں آج خوب ہلا گلا کریں گے سنو ایک اور گڈ نیوز بھی ہے میرے پاس۔"

"تم شادی کر رہے ہو۔" ثاقب مرتضیٰ نے ٹکڑا لگایا اور وہ موڈ میں بولا۔

"بس بھئی ہم تو محب صادق ہیں جسے پسند کیا شادی اسی کے ساتھ ہو گی بس دیکھنا ہے اس کے دل کا دروازہ ہمارے لیے کب کھلتا ہے لیو اٹ چھوڑو اسے۔" وہ کہتے کہتے جذب کی کیفیت سے نکل آیا اور میرا دل بوجھل ہو گیا کاش اس لمحے محبت اپنا اعتراف کر ہی لیتی مگر نہیں ہر کام وقت کے مطابق ہی ہوتا ہے سو وہ بول رہا تھا اتنا اہم معاملہ چھوڑ کر کنسرٹ کی بابت بتانے لگا تھا جہاں ہارون اور جنید جمشید سمیت رحیم شاہ بیک وقت آن دی اسٹیج آنے والے تھے یہ ایک فلاحی ادارے کے لیے پروگرام تھا جسے ایک ملٹی نیشنل کمپنی اسپانسر کر رہی تھی۔

"اتنی اچھی نیوز اتنی دیر بعد سنائی۔" شزا حسام جنید جمشید کے گیتوں کی دیوانی فوراً "شیراز پر چڑھ دوڑی اور وہ ہنسے گیا۔

"اب بولو سویٹ ہارٹز تم لوگ کنسرٹ پر چلو گے یا کوک برگر کھاؤ گے۔"

"یہ پھر کبھی سہی کنسرٹ پر چلتے ہیں۔" سب کا مشترکہ ارادہ گونجا اور میں آنکھ بند کر کے اس شخص کے قدم ملا کر چلنے کی تمنا میں اٹھ کھڑی ہوئی جو میرے ماضی کی تمنا، حال کی خواہش اور مستقبل کا اچھا خواب تھا اور وہ تھا مجھ سے بے نیاز بل پے کر کے بغیر پیچھے مڑے مجھے دیکھے آگے ہی آگے چلا جا رہا تھا کیا اسے خبر ہے میں اس کے قدموں پر قدم رکھے کب سے اس کے ہمراہ ہوں۔

کیا اسے خبر ہے میں کب سے اس کی محبت سے دل کو سجائے ایک اس کے قدموں کے لمس میں تڑپتی ہوئی دہلیز ہو چکی ہوں۔

کیا اسے لگتا ہے میں وہ جزیرہ ہوں جس پر اس کے آنے کے لیے سندیسے کب سے ہوا نے مٹھی بھر بھر کر اچھالے اور جہاں کے نمکین پانیوں میں محبت نے پہلی بار اپنا عکس دیکھا۔

کیا یہ جانتا ہے کہ میں اس کا عکس ہوں اس کے لیے ہوں جی جان سے ہر اک مان سے!"

مگر ہوا خاموش تھی مجھ تک سارے سوال نامراد ہو کر لوٹ آئے اور ہم ثاقب مرتضیٰ کی لینڈ کروزر میں آن بیٹھے۔

"تمہارے پاس ٹکٹس ہیں۔" شہزا حسام نے بے تکا سوال کیا اور وہ ہنسے گیا۔

"ہونگی لڑکی کبھی اس سے پہلے اتنا عاقبت نااندیش دیکھا ہے مجھے میں ہر کام اصول ضابطے سے کرتا ہوں شاید تم جانتی ہو اسی لیے میری زندگی میں غلطیوں کا مارجن بہت کم ہے۔"

"ارے واہ ہیرو کو تو دیکھو ابھی سناؤں تیری حماقتیں۔" ثاقب مرتضیٰ نے ڈرائیو کرتے ہوئے تڑکا لگایا تو وہ یکدم پزل نظر آنے لگا۔

"بکواس نہیں ثاقب کے بچے جو باتیں دوستوں میں ہوں وہ ایک راز ہوتا ہے۔" جانے وہ کیا چھپانا چاہ رہا تھا۔ میں نے نظریں اس پر گاڑ دیں اور وہ منمنایا۔

"علینہ یار تم اس کی کسی ہوائی توائی پر کان مت دھرو یہ تو بس یونہی بکتا ہے۔"

"یہ کیا مجھے اتنا اہم سمجھتا ہے کہ میرا کوئی بھی کمنٹ کوئی غصہ میں بھرا کمنٹ اس کی کسی غلط روش پر دی ہوئی رائے سے اس کی شخصیت کو گزند پہنچا سکے۔"

مگر وہ یہ کہہ کر پھر سے چہرہ آگے موڑ کر بیٹھ گیا تھا اور مجھے لگا تھا کسی نے میرا سورج اوک میں بھر لیا تھا میرے اردگرد اندھیرا ہو گیا تھا۔

"یہ تم سنتے سنتے کھو کہاں جاتی ہو۔" شہزا حسام نے مجھے اپنی سمت موڑا اور ثاقب مرتضیٰ پکارا۔

"ارے یار واقعی ـ کبھی کبھی مجھے اس کی عادت دیکھ کر لگتا ہے جیسے یہ کھوئی ہوئی بچی ہے وہ ریڈیو سے کیا پروگرام آتا ہے۔" اس کا رخ شیراز کی طرف ہوا اور وہ ہنسی روک کر بولا۔

"یہ بچہ کس کا بچہ ہے ساڑھے تین بجے تک آتا ہے۔" ٹائمنگ بھی بتا دی تو ثاقب مرتضیٰ کو ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

"واہ واہ کیا درست نام ہے سنو شیراز اس اپنی گھامڑ دوست کا اشتہار بھی چلا دو مجھے تو لگتا ہے انکل آنٹی کو یہ محترمہ نگینہ تیمور کی فیورٹ ۸۰ کی دہائی کی فلم اسٹوریز کی طرح کسی میلے ٹھیلے سے ملی ہوں گی ورنہ وہ دونوں حضرات اتنے جینئس ہوں اور یہ اتنی ڈل مجھے تو گڑبڑ لگتی ہے۔" وہ کہتے کہتے رکا اور اس کے بولنے کی رفتار پر ہم سب یہی کہا کرتے تھے انااؤنسمنٹ کا کیریئر ثاقب مرتضیٰ کو سوٹ کرتا ہے۔" اور تب شہزا حسام نے میری حمایت کا بیڑا اٹھایا۔

"اپنی علینہ بہت جینئس بچی ہے بس تمہاری طرح باتونی نہیں ہے اس لیے تم جلتے ہو اس سے۔"

"کیا میں اور اس سے جلوں گا اس کی کم گوئی میں کیا دھرا ہے۔" وہ کب آسانی سے ماننے والا تھا تب نگینہ تیمور نے کیس سنبھالا۔

"تم اگر کتابیں پڑھ لیتے تو معلوم ہوتا ڈیئر فرینڈ بہت بولنے والے ناسمجھدار اور جاہل سمجھے جاتے ہیں اور خاموش رہنے والے عالم لوگ ہوا کرتے ہیں۔"

دلیل بے تکی لائی تھی مگر ثاقب مرتضیٰ ہار ماننے والا کب تھا کھٹ سے بولا۔

"مگر کزن میں نے جو کتاب پڑھی تھی اس میں لکھا تھا خاموشی عالم کی علمیت کا ثبوت ہے اور جاہل کی جہالت کو چھپا لینے والا پردہ سو مجھے کیا پتہ تمہاری یہ دوست پردے میں ہے یا۔۔۔"

"ثاقب کے بچے اگر تم ڈرائیو نہ کر رہے ہوتے تو میں تمہیں اتنے زور سے چٹکی بھرتا کہ جان نکل جاتی تمہاری۔"

"ہے ہے یہ خواتین لہجے میں تم کب سے بولے تمہارے تو نہ تھے یہ عادت اطوار۔"

وہ چوکنے والا نہیں تھا اس لیے شیراز کی یہ کارروائی بھی ضائع گئی تھی پھر اس سے پہلے کہ یہ کارزار دوبارہ گرم ہوتا ہوٹل کی حدود شروع ہو گئیں۔

"یہ لو بھئی اپنے اپنے ٹکٹ۔" شیراز احمد نے سب کے ٹکٹ ان کے حوالے کیے مگر آخر تک پہنچتے پہنچتے اس کا ہاتھ خالی تھا۔

"بے ایمان لڑکے تم ہمیں اتنا بے وقوف سمجھتے ہو۔" نگینہ تیمور نے گھور کر اسے دیکھا اور وہ ہنسے گیا۔

"پلیز یار رو بہت دنوں کی مصروفیت کے بعد یہ تو میرا حق ہے ناں۔"

"ہاں ہاں سنو اس سے شاعری' دیکھ لینا اس کی شاعری ایک دن تمہارے دماغ کا فیوز اڑا کر رکھ دے گی۔" ثاقب مرتضیٰ کا لہجہ بھنایا ہوا تھا میں خوامخواہ نکو بن گئی تھی مگر شیراز احمد اسے کب کسی کا خیال تھا مزے سے ان سے ٹائمنگ سیٹ کر رہا تھا۔

"ایک گھنٹے کی چھوٹ صرف ایک گھنٹے بعد تمہیں یہیں ملوں گا۔"

"تو کیا کنسرٹ صرف ایک گھنٹے کا ہے۔" شہزا حسام نے سوال کیا اور وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"نہیں نہیں مگر جو تمہارے پسندیدہ گلوکار ہیں وہ شروع میں انٹری دیں گے تین تین گانے ہیں ان کے بس ایک ڈیڑھ گھنٹے کی کہانی ہوئی ناں پھر۔"

"یہ اتنی انفارمیشن تمہیں کہاں سے ملیں۔" نگینہ تیمور نے مشکوک ہو کر دیکھا اور وہ کالر جھاڑ کر بولا۔

"تم نہیں جانتیں کزن شوبز فیلڈ ہی میں موجود ہوں ریڈیو کے انٹرویوز کی وجہ سے ہر بندے سے اچھی لنک سلیک ہے سو میری انفارمیشن ایک فیصد بھی غلط نہیں ہو سکتی۔"

سب نے سر ہلا کر آگے کی طرف قدم بڑھا دیے اور وہ مڑ کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"اب بتاؤ کہاں چلیں۔" اس کا لہجہ عنایت ہی عنایت تھا میرے دل میں محبت نے پہلی بار کسی کونپل کی طرح سانس لی مگر یہ محبت اس محبت سے بہت مختلف تھی جو ہم ایک دوسرے سے ڈس کس کرتے تھے اور پھر خوب جی لگا کر ہنستے تھے ہاں یہ تھا کہ اس لمحے یہ محبت واقعی ہنسی تھی مگر شکر اور پا لینے کی خوشی سے گلرنگ ہنسی۔

"تم بہت سوچا کرتی ہو اگر کچھ سوچنے کی مقدار کم کر کے عمل کرنے والی بن جاؤ تو کمال لڑکی ہو جاؤ۔"

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں بے کمال سی بے نام سی۔" میں نے چڑنے کی کوشش کی اور وہ ہنسنے لگا۔

"مجھ سے ناراض ہو گی؟ کیا تم مجھ سے ناراض ہو سکتی ہو؟" سوال پوچھتے ہوئے اس نے ہاتھ تھام لیا تھا اور میں مسمرائز اس کے سامنے بت بنی کھڑی تھی۔

"دل چاہتا ہے آج سویٹ۔۔۔ اسیج کی طرح خوب گھومیں باتیں کریں اور آج تم جتنی چاہے مجھے اپنی شاعری سنا سکتی ہو۔" وہ مجھے اپنی کار تک لے آیا تھا۔

"تمہاری گاڑی اور یہاں تم تو ہمارے ساتھ ہوٹل۔۔۔"

وہ مجھے دیکھ کر پھر مسکرانے لگا تھا۔

"سب کچھ میں ہمیشہ پروگرام کے تحت کرتا ہوں بے موقعہ اور بے سمت قدم اٹھا کر منزل نہ ملنے کا شور کرنے والوں میں سے نہیں ہوں میں اس لیے کبھی ناکام نہیں رہتا میں نے تم سب کو جان کر ٹریپ کیا تھا۔" وہ فرنٹ ڈور کھول چکا تھا اور میں اس کی ڈبل اوسیون قسم کی جینئس پر حیران تھی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ ہم اس وقت وہاں تھے جہاں سے تم نے ہمیں پایا؟" اس نے قہقہہ لگایا ایک طویل اور دل تک اتر جانے والا قہقہہ میں اسے دیکھتی رہی۔

ایک نعرہ کوئی بات تو ہے میرے ساجن میں!" دل میں گنگناہٹ پیدا کرتا رہا وہ اگنیشن میں کی گھما کر مرسڈیز اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"تم لوگ سیٹرڈے ہوٹل میں ہی ہو سکتے تھے کیونکہ کالج کے زمانے سے ہمارا روٹین ہے ہر سیٹرڈے ہم وہیں سیلبریٹ کرتے تھے۔"

سامنے کی بات تھی مگر اس کے سامنے میرے دھیان سے نکل گئی تھی میں اس کے سامنے کتنی محتاط خیال اور ہر لفظ کا سرا ہاتھ میں تھامے کس قدر مستعد رہا کرتی تھی مگر پھر بھی لگتا تھا کوئی ہے جو دل سے دل کو

چرائے جا رہا ہے جو بہت اپنا ہے تو بہت اپنا اور پرایا ہو جائے تو صدیوں کو بیچ میں ڈالے معدوم نقطہ بن جاتا ہے وہ جانتا ہے وہ میرے لیے کیا ہے اور میں اس کے لیے کیا لیکن پھر بھی بار بار اس کی آنکھیں ایک ہی سوال کرتی ہیں۔

"کون ہوں میں تمہارا۔" میں نظر چرا جایا کرتی تھی ایسے ہر لمحے کہ مجھے صرف وہ عزیز تھا ہمارے بیچ عزت اور تکریم کا رشتہ تھا مجھے اس سے محبت تھی اتنی شدید کہ وہ میرے لیے میری زندگی کا اس دنیا کا سب سے قیمتی انسان تھا سب سے قیمتی حوالہ لیکن یہ میں اسے کبھی جتا نہیں سکتی تھی یہاں آکر میری محبت میرے قدموں میں زنجیر ہو جایا کرتی تھی۔ محبت کو میں نے عزت نفس اور خاموشی میں پایا اور حجاب میں اختیار کیا تھا میں محبت پر کچھ زیادہ نہیں جانتی تھی مگر یہ ضرور تھا کہ مجھے محبت کے اعتراف میں پہل کرنا کار دشوار لگتا تھا۔

شاید اس سلسلے میں میرے سامنے میرے پاپا کی زندگی در آتی تھی میرے پاپا میری ہی طرح محبت میں کریزی تھے اتنے کہ اپنی چاہت کے لیے رنگ ڈھنگ بدل کر اس جیسے بن گئے تب بہت اچانک اس محبت نے کہا۔

"حماد رضا میں تمہاری بہت اچھی دوست ضرور ہوں لیکن تمہاری شریک سفر بن جاؤں گی یہ تمہاری خواہش کا اپنا دھوکہ ہے میرے لیے جذبات اور اپنی ذات سب کچھ ہے اور تم اس سب کچھ میں کہیں نہیں آتے۔"

پاپا نے اتنا واضح انکار سنا تو برسوں نہیں سنبھل سکے پھر سنبھلے تو میری ماما سے شادی کر لی میری ماما ان کی کولیگ تھیں اور بہت کم مدت جی سکی تھیں میں ان کی واحد ذمہ داری تھی جسے وہ اس طرح سونپ دینا چاہتی تھیں میں ان دنوں پریپ میں تھی جب میری ماما نے ایک ہاسپٹل میں آخری سانس لی اور پاپا کے دل نے بھی۔

میں ان کی گود میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی مگر محبت کا وہ سانحہ آج بھی میری پلکوں پر تلخ ذائقہ رکھتا تھا ساڑھے چار برس کی بچی کے آنسو جیسے نمک بن کر میرے اندر جم گئے تھے اور میں ہمیشہ اس محبت! محبت کے تذکرے سے بھاگتی رہتی تھی مگر دل... یہ کم بخت دل... میں نے بند آنکھیں کھولیں اور سنجیدہ سا شیراز میری بصارت سے ٹکرایا۔

"خیریت تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو۔"

"میں شوخ تو کبھی نہیں ہوں مجھے نپی تلی گفتگو کرنا اچھا لگتا ہے یہ بتاؤ یہ اتنا طویل مراقبہ کس خوشی میں اختیار کیا تھا۔"

"وہ بس ویسے ہی ہفتے بھر دفتری مصروفیات میں ذہن تھک گیا تھا۔" میں جان کر حقیقت چھپا گئی اور کبھی کبھی ہر چیز حتی کہ محبت بھی ایک اپنی ذات کی تکریم بچانے کے لیے چھپا لینا کتنا ضروری ہو جاتا ہے۔

وہ میری بات سے پتا نہیں مطمئن ہوا تھا یا نہیں مگر اس کی نصیحت میرے اطراف ہلکورے لینے لگی تھی۔

"تم اتنی محنت کیوں کرتی ہو اپنا خیال رکھا کرو پاگل لڑکی انسان جتنی حساسیت سے اپنے بارے میں سوچ سکتا ہے اپنا خیال رکھ سکتا ہے کوئی اور اتنی پروا نہیں کرتا کسی کی۔"

"سو واٹ! مجھے کبھی یہ بات سوجھی ہی نہیں کہ اپنا خیال رکھنا بھی کوئی کام ہے سیدھی سی بات مجھے شروع سے دوسروں کی پروا ___ کرنے کی عادت ہے بلکہ یوں سمجھو مجھے دوسروں کی پروا کرنا زیادہ اچھا لگتا ہے بانسبت اپنی ذات کے۔" وہ خاموش رہا اور اس کی خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ وہ عمومی طور پر میری بات سے اتفاق نہیں کرتا تھا لیکن وہ مجھ سے بحث کر کے میرا دل بھی برا نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کی یہی دل رکھنے کی عادت میری سب سے پسندیدہ عادت تھی۔

"کیا ہوا میری بات بری لگی کیا۔" میں نے اپنی دانست میں دانائی کی اور وہ شکوہ بھری نظروں بن گیا۔

"کیا کبھی میں نے کہا مجھے تمہاری کوئی بات بری لگی ہے۔"

"نہیں مگر اس کا امکان تو ہمیشہ رہتا ہے کیونکہ میں ہمیشہ یہی اچھا نہیں کہہ سکتی۔" میں نے اسے طرح دی اور وہ مسکرانے لگا۔

"تم ہمیشہ اچھا کہنے کے چکر میں برا ہی کہتی ہو گھامڑ لڑکی یہ تو میں تمہیں نظر انداز کر دیتا ہوں ورنہ تمہاری حماقتیں الاماں الاماں۔" وہ مجھے چڑانے لگا تھا اور میں واقعی موڈ آف کر گئی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ میرا موڈ آف کر جانا اس کے لیے کوئی عام سی بات ہوتی۔

"اوکے بھئی دیکھو اک آؤٹ مت کرو سنو میں تمہیں ایک اچھی سی نظم سناؤں۔"

میں دوسری ساعت اس کی سمت مڑ گئی تھی میرا تو پورا وجود اس کی محبت کے جنگل میں تھا وہ جیسے چاہتا مجھے آزما سکتا تھا مجھے اپنی اور کھینچ سکتا تھا اور یہ بھی کبھی کسی کی سمت دیکھنا کسی کو خیالوں میں سوچنا کس قدر لطیف احساس دیتا ہے۔

"نظم سناؤ مجھے مت دیکھو" میرا سابق لہجہ برقرار رکھا تھا اور وہ گنگنایا تھا۔

چراغ جلتے رہیں یا ہوا ٹھہر جائے
تیری نگاہ پہ ہر سلسلہ ٹھہر جائے
کسی کے وصل کا آیا نہیں ابھی موسم
کوئی بہار سے کہہ دو ذرا ٹھہر جائے
فنا کا کھیل ہے ہستی تو کیسے ممکن ہے
زوال عمر کا یہ سلسلہ ٹھہر جائے
کسی کا ساتھ ملے اور اس طرح امجد
کہ وقت چلتا رہے راستہ ٹھہر جائے

وہ کار بیچ کے سامنے ایک پرسکون گوشے میں روک چکا تھا میں تیز ہوا سے بال سمیٹتی باہر نکلی تھی تب اس نے شرارت سے کہا تھا "اس وقت کے موڈ پر اسی غزل کا ایک شعر۔" میں سمجھی بھی نہیں تھی کہ وہ کار کے مڈگارڈ پر بیٹھ کر اوا سے بولا۔

تیرے سلوک سے ہوتا نہیں یہ اندازہ
کوئی اٹھے تیری محفل سے یا ٹھہر جائے

"بیٹھو گے شیراز احمد۔" میں نے گھور کے دیکھا اور وہ فضا سے مخاطب ہو کر بولا۔

محبت اک آوارہ جھونکا
اس جھونکے کو روکے کون
کیسے دنیا کو بتلاؤں
تم ہوتے ہو میرے کون

"نہیں بھئی کون ہو تم میرے۔" وہ سوال بن گیا اور میں لفظوں میں الجھ گئی۔

"یہ آوارہ جھونکے سے تو لگتا ہے محبت نری کھکھیڑ ہے محبت کا الوہی احساس نہیں ہے اس میں یعنی کہ بالکل ہی لاحول ولا قوۃ۔"

"پاگل لڑکی لفظوں کا پوسٹ مارٹم مت کیا کر یہ ایک کیفیت ہے کبھی کبھی محبت اتنی اچانک وارد ہوتی ہے کہ اپنی سمت نہیں دیتی جیسے مشرق سے چلنے والی ہوا مغرب سے آئی ہواؤں میں مدغم ہو تو اس کا رنگ نہ کھل سکے وہ ہمیں اچھوتا سا لگے ایک بالکل اچھوتا سا جھونکا جو کسی جنگل میں کسی درخت کے پتوں میں سرسرائے اور ہمیں اچانک چھو جائے ہمارے رخسار سرسراہٹ محسوس کریں اور ہم چونک سے کہیں۔"

"کیسے دنیا کو بتلاؤں وہ ہوتا ہے میرا کون یا تم ہوتے ہو میرے کون۔" وہ اب بالکل میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا تب اچانک میرے اندر کبھی کی پڑھی نظم کسی جھونکے کی طرح سرسرانے لگی۔

بہت مشکل نہ ہو جائے
تمنا اب جو رہتی ہے سری بے خواب آنکھوں میں
کہیں یہ دل نہ ہو جائے!

دل نے پوری طرح بغاوت کرنی چاہی مگر میں نے خود کو سنبھال لیا اور وہ میرا ہاتھ تھامے سیڑھیاں اترتا ساحل کی ریت پر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

"جب میں ہوٹل سے اٹھا تھا تمہارے دل میں ایک شکوہ آیا تھا ناں۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا یہ دل کی باتیں بھی جان لیتا ہے۔

"تم نے سوچا کیا تم اتنی غیر اہم ہو کہ میں نے پلٹ کر یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ تم میرے پیچھے

قدم سے قدم ملا کر چل بھی رہی ہو یا نہیں۔"

وہ رک چکا تھا اور اس کی آنکھیں عجیب سی چمک سے خیرہ تھیں وہ ہولے سے میرے کاندھوں پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔

"تم شاید جاننا ہی نہیں چاہتیں کہ تم میرے دل میں کس مقام پر ہو شاید تم خوف زدہ ہو اگر تم میرے دل کی دہلیز کے باہر ہی ہو اور گمان کرو تم میرے دل میں ہو تو تم بہت زیادہ ٹوٹ سکتی ہو مگر علینہ حماد محبت کرنے والے ٹوٹنے بکھرنے سے نہیں ڈرتے یہ تو آنکھ بند کر کے چلتے ہیں اور منزل اور دنیا کا کوئی لالچ نہیں کرتے اور جو لوگ کوئی لالچ نہیں کرتے محبت انہیں بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتی علینہ حماد تمہیں پتا ہے میں نے تمہیں مڑ کر کیوں نہیں دیکھا۔"

میں نے سانس روک لی تھی اور وہ پر سکون کہہ رہا تھا۔

"دراصل مجھے تم پر اتنا یقین ہے کہ شاید خود پر بھی نہیں ہو گا مجھے پتا ہے میرے ساتھ دنیا نہ ہو لیکن تم ضرور ہو گی میرے قدموں کو ساحل کی منہ زور لہر نہیں مٹا سکتی کہ میرے قدم تمہاری محبت ہیں تمہارے لیے اٹھتے ہیں تم تک ہی جاتے ہیں تم جانتی ہو ناں کسی پر اندھا یقین کرنا کیا ہوتا ہے۔"

"محبت شاید صرف محبت۔" دل نے پکارا اور اس کی خیرہ کن آنکھیں میرے دل کی مسکراہٹ سے گلرنگ ہو گئیں۔

"پتا نہیں یہ ساتھ کتنا مختصر کتنا طویل ہے لیکن یہ طے ہے میرا ہر سفر تیرے ساتھ کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

وہ بہت ترنگ میں تھا اور میرا دل اس ساتھ پر بے حد خوش پھر ہم ورلیج ہوٹل میں اچھا سا کھانا کھا کر باہر نکلے تو کار میں بیٹھتے ہوئے وہ نہایت عنایت سے بولا۔

"آج کوئی نظم سناؤ ایسی نظم جس میں تم چھلکو اس رنگ میں جو محبت کا رنگ ہے جو تمہارا عہد ہو کوئی نظم کوئی وعدہ! میری طرح کا کوئی اقرار۔"

میں نے اس کا سوال سنا اور ایک بہت خوب صورت سا خیال اسے کہہ سنایا وہ مگن کار ڈرائیو کر رہا تھا اور یہ نظم اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی مسحور و مخمور کر رہی تھی لفظ بند ھن بن کر ہمیں جکڑ رہے تھے اور لفظ روپ لے کر ہمارے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے اور ہوا نے آواز میں آواز ملا کر کہا تھا۔

جو مجھ سے پوچھا ہے آج تم نے
میں تمہارا ہوں کیا بتاؤ
تو خود ہی سوچو تم ایک پل کو
بھلا میں تمہیں کیسے بتاؤں
ہے تم سے میرا وہی تعلق
جو اپنے سائے سے ہے شجر کا
وہی جو خورشید سے قمر کا
گلوں سے ہوتا ہے مہک کا
کسی کی آنکھوں کے مست ڈوروں سے
اس کے محبوب کی جھلک کا
وہی تعلق ہے تم سے میرا
جو دل سے ہوتا ہے دھڑکنوں کا
خمار سے ہے مے کشوں کا
جو شاعروں سے ہے مہ وشوں کا
جو حسن والوں سے دل جلوں کا
ہے زہد سے جو بھی زاہدوں کا
جو راستوں سے ہے منزلوں کا
جو منزلوں سے ہے رہبروں کا
ازل سے دھرتی سے پربتوں کا
وہی جو ساگر سے ساحلوں کا
جو روح سے ہے کسی بدن کا
جو بارشوں کا کسی زمین سے ہے
عبادتوں کا جبین سے ہے وہی تعلق
ازل سے اپنے بھی درمیان ہے
تمہی بہاروں کی دلکشی ہو
تمہی تو آنکھوں کی روشنی ہو
جو سچ کہوں تم مری خوشی ہو
تمہیں اجالا تمہی صبا ہو
تم آرزو ہو تمہی وفا ہو
تمام جذبوں کی انتہا ہو
تو کیوں نہ تم پر یہ دل فدا ہو
بتاؤ جاناں! ہے اتنا کافی؟
کہ اور کچھ بھی تمہیں بتاؤں
جو ہو سکے تو خیال رکھنا
تمہارا مجھ سے وہی ہے رشتہ
ملائکہ سے جو بندگی کا
جو مرنے والے سے زندگی کا
سمندروں کا جو سیپ سے ہے
وہی جو آنکھوں کا دیپ سے ہے

کہتے کہتے لفظ جذب کی کیفیت میں ڈولنے لگے میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں شیراز کار روک کر اسٹیرنگ ویل پر ہاتھ دھرے مجھے ہی تک رہا تھا۔

"علینہ اتنا زیادہ؟ کیا واقعی میں تمہارے لیے اتنا قیمتی انسان ہوں۔" میں نے گھبرا کر اپنے چہرے پر پھیلی شفق کو اوک میں بھر کر پی لیا۔ اتنا زیادہ رنگ ابھر کر آ جائے گا مجھے گمان نہیں تھا اور وہ مجھ سے پھر سے پوچھ رہا تھا۔

"پلیز بتاؤ ناں کیا واقعی میں تمہارے لیے اتنا اہم ہوں" میں نے سنبھل کر لہجہ بمشکل متوازن کیا پھر آنکھ کی اوٹ سے جھکے سے اسے دیکھا اس شخص کو جو بہت خاموشی سے واقعی میرے لیے اہم اور ضروری ہو گیا تھا وہ خاموش سکوت سے اب بھی مجھے تک رہا تھا۔

تب میں نے لفظ مجتمع کیے۔

"اگر کوئی مجھے زندگی اور خوشی کے بدلے تمہیں چھوڑ دینے کو کہے اور مجھے انتخاب کرنا پڑے تو میں ہر چیز کو چھوڑ دوں گی میرا انتخاب ہر بار تم ہی ہو گے۔"

شیراز احمد کی آنکھیں جگنو بن گئیں ہماری واپسی کا سفر شروع ہوا مگر اس واپسی کے پلو میں بہت حسین یادیں اور عہد بندھے تھے میرا دل قیمتی احساس سے مالا مال تھا محبت سوغات کی طرح ہے ایک بار وقت ہمارے دامن میں ڈال دے تو پھر ہم خیرات بانٹتے مٹ سکتے ہیں یہ سوغات کم نہیں ہو سکتی اور اب ہمیں اسی سیرابی کو چاروں اور پھیلانا تھا شیراز نے کار ہوٹل کے سامنے روک دی تھی پھر وہ ثاقب کے موبائل پر بیل دے رہا تھا اور کوئی دس منٹ بعد کی بات تھی وہ تینوں ہم دونوں کے سر ہو گئے تھے۔

"کیا باتیں کیں اور اس نک چڑھی لڑکی نے کون سی نظم سنائی۔" نگینہ تیمور نے میرے بازو میں چٹکی بھری میں کسمسا کر رہ گئی اور وہ دریا دلی سے بولا۔

"ہم اس دسمبر میں شادی کر رہے ہیں۔"

"ارے واہ اتنی جلدی سارے معاملات طے ہو گئے سچ بتانا یہ چکر پرانا تو نہیں۔"

وہ ہنس کر اس خیال کو شہ دیتا رہا اور میں دائیں بائیں چھپنے کی سعی میں لگ گئی۔

"بے فکر رہو دوست تم ابھی اتنی بھی پہنچی ہوئی نہیں ہو کہ آنکھ بند کر کے ہی ہماری آنکھ سے او جھل ہو جاؤ گی سو اب آرام سے بتا چکو یہ معاملہ کتنا پرانا ہے۔"

میں خاموش تھی کیا کہتی ہمیشہ اس محبت کو اپنے اندر اترتے چھپاتے خمار بن کر رگ و پے میں سرائیت کرتے دیکھتی تھی لیکن رد کر دیئے جانے کے خوف سے خاموش بیٹھی رہ جاتی تھی شاید کبھی کا یہ جملہ مجھے ڈراتا تھا۔

"بہت بڑے بڑے پتھر موم کیے ہیں یہ تمہو دلی کیا چیز ہے۔" بظاہر وہ بہت بردبار تھا مگر عام مردوں کی طرح فلرٹ کرنے کی عادت کسی حد تک اس کی شخصیت کا بھی حصہ تھی جیسے کالج یونیورسٹی کے زمانے میں ہم سب مل کر انجوائے کیا کرتے تھے لیکن جب پہلی بار مجھے لگا میں بھی اس ڈگر پر چلنے لگی ہوں جہاں صرف ایک طنزیہ قہقہہ میرا منتظر ہو گا تو میں نے دانستہ محبت پر ہنسنا شروع کر دیا یہ میرے اندر کا فرسٹریشن تھا بابا کا ماضی تھا اور اس نے مجھے اپنی اس پہلی اور قیمتی ترخوشی سے منہ موڑے رکھنے پر مجبور رکھا تھا مگر اب حالات بہت بدل چکے تھے آسمان دھنک رنگوں سے سج گیا تھا اور وہ شخص میرا ہو کر مجھے ملا تھا جس کے ملنے کی میں نے ہمیشہ تمنا کی تھی۔

"تم پھر سوچنے لگی ہو بتاتی کیوں نہیں کہ تم دونوں

"ہمیں بے وقوف کیوں بناتے رہے ہو اب تک۔"
اب کی بار شنزا حسام نے ہماری گوشمالی کی تھی اور شیراز احمد سامنے آن موجود ہوا تھا۔

"محبت بس ایک لمحہ ہے جب چاہتا ہے دل میں داخل ہو کر ہمیں پچھاڑ دیتا ہے ہماری اپنی پہچان ہماری آن سب کچھ لوٹ جاتا ہے اور ہمیں کلیوں کی صدا بنا دیتا ہے یہ ماہ و سال نہیں لمحہ ہے شنزا حسام اسے ہم کیلکولیٹ نہیں کر سکتے یہ جب ہمارے اندر اترے تو ہم اس کے لیے اپنے دل کا دروازہ بھی نہیں بند کر سکتے کیونکہ دل کا دروازہ ہمیشہ باہر سے کھلتا ہے اندر آنے والوں کے لیے راہیں سنوارتا ہوا سجاتا ہوا شاید تمہیں یقین نہ آئے مگر ہماری یہ بے وقوفی تھی کہ ہم اسے نمود نمائش اور حسن میں ڈھونڈتے تھے حالانکہ محبت خود حسن ہے یہ مٹی کی مورت کو بھی روپ لگا دیتی ہے رنگ اچھال کر دھنک کر دیتی ہے اور اس لمحے نے ہم دونوں کو آج چھو لیا ہے۔"

مجھے لگا اس لمحے نے ہمیں واقعی پا لیا ہے اور یہ وقت ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا اور زندگی کچھ اور آگے بڑھ گئی تب اچانک ثاقب نے مجھے اطلاع دی۔

"اپنی شنزا حسام ہے ناں وہ کسی موعود راشد پر مقالہ لکھنے کی تیاری پر ہے۔"

"موعود راشد یہ کون ہے؟" میرا سوال فطری تھا اور نگینہ تیمور آگے بڑھ آئی۔

"ایک کمپنی میں ایم ڈی ہے ایکسپورٹ کمپنی ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا موعود راشد شنزا حسام کو کیونکر ملا۔" میں نے پہلی فرصت میں شنزا حسام کے گھر دھاوا بول دیا وہ اس وقت پاپ میوزک کو خیر باد کہہ کر غزلیں سننے کے موڈ میں تھی اسے کبھی شعر سمجھ نہیں آئے تھے لیکن وہ بہت جذب میں آنکھیں بند کیے لے سراٹھائی شاعری پر سر دھن رہی تھی۔

"شنزا اوور آر یو۔" میں نے اسے چھوا لگا وہ بظاہر یہاں تھی مگر اس کی روح کہیں اور کسی اور کے اطراف پھیرے لے رہی تھی طواف کر رہی تھی

"محبت میں عورت کفر کی حد تک جا پہنچتی ہے ایک بار بابا نے کہا تھا اور آج میں دیکھ رہی تھی وہ روم روم سجدہ بن گئی تھی اس قدر جلد اور اتنے آگے کیا میری طرح بہت پہلے سے اس کے دل کو محبت نے چھو لیا تھا اور یہ اوپر سے محبت پر ہنستی تھی اس ڈر سے کہ کہیں خود محبت کوئی لمحہ بن کر اس پر نہ ہنسنے لگے۔

"شنزا میں آئی ہوں۔" اور وہ مجھے خالی آنکھوں سے دیکھنے لگی کوئی تھا جس نے دستک دی تھی اندر آیا تھا اور پھر اندر ہی اندر سما گیا تھا اس طرح کہ پھر کسی اور رابطے کی ہوک نہیں رہی تھی۔

شنزا حسام ہمیں بھولی نہیں تھی بس وہ کسی کو بہت سرعت اور بہت دل لگا کر یاد رکھنے یاد کرنے لگی تھی اس لیے ہم سے کیموفلاج کر گئی تھی۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"موعود راشد کو تم کب سے جانتی ہو۔" اس کی خالی آنکھیں رنگ خوشبو میں سانس لینے لگیں لگا اس کی پلکوں کو کسی خواب رت نے چھو لیا تھا اور وہ جذب میں سنا رہی تھی۔

"موعود ویسا ہے علینہ جیسا میں نے تم سے کہا تھا وہ بہادر ہے جری ہے اور اس میں محبت نے صرف میرے قدموں کے ساتھ پہلی بار قدم رکھا ہے۔"

میں نے اسے دیکھا اور پاپا میرے اندر کرلائے۔

"محبت کرنے والا ہر دل یہی سمجھتا ہے وہ سامنے والے دل میں پہلی بار ہے جو پوری محبت کے ساتھ پہلی بار داخل ہوا ہے مگر محبت دھوکے کے سوا کچھ نہیں دنیا میں لوگ ایک نہیں کئی بار محبت کرتے ہیں اگر دل کا پوسٹ مارٹم ہو سکتا تو دل کی زمین پر ایک انچ جگہ نہ ہوتی جہاں کسی قدم کا نشان نہ ملتا ہاں مگر عورت صرف عورت کے دل پر ایک قدم کا نشان ہی ہوتا ہے جو نمایاں اور چمکیلا ہوتا ہے باقی قدم تو بس رائیگاں سفر کی تھکان ہوتے ہیں جو سمجھتے رہتے ہیں عمر بھر یہ سمجھتے رہتے ہیں انہوں نے بے تکان سفر کیا ہے مگر آخرش کھلتا ہے ان کے قدموں میں مسافت کے زہریلے ذائقے اور وجود شل کر دینے کے احساس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جو وہ اپنے دامن میں رکھتے ہیں۔"

"کچھ لوگ کتنے رائیگاں ہوتے ہیں ناں علینہ۔"
انہوں نے جب میری آنکھوں میں دیکھا تو وہاں صرف حسرت کے سوا کچھ نہیں تھا تب میں نے ان کے دکھ سے بوجھل آواز سے پوچھا تھا۔

"آپ نے عورت کی بے وفائی دیکھی پھر بھی پاپا آپ عورت کی محبت پر اس کی تکریم کرتے ہیں۔" پاپا نے میرے ہاتھوں کو ہاتھ میں لے لیا پھر مسکرا کر بولے۔

"ہاں میں عورت کی محبت کی بے وفائی کے باوجود یہ کہتا ہوں کیونکہ میں نے تمہاری ماں میں اس محبت کو پوری شد و مد سے ابھرتے چھاتے اور یقین بنتے دیکھا ہے اس کی آنکھوں میں مرتے وقت اتنی حسرت نہیں تھی جتنی محبت تب میں نے اس کی آنکھوں کو بند کرتے وقت ایک تمنا کی تھی کاش اس محبت میں کہیں میں بھی ہوتا ایک نقطے جتنا ہی سہی مگر اس کے دل پر صرف ایک مرد کے قدم جا سکے اسے صرف محبت نے فتح کیا محنت نے سنوارا پھر محبت ہی نے مٹا دیا مگر اس کے اندر کی محبت تمہاری صورت پھر بھی زندہ رہ گئی جانے یہ محبت کن سمندروں کا پانی پیتی ہے پیاس دلوں میں ڈال ڈال کر بھی خود سیراب رہتی ہے کون سے سفر کا شگن لیا ہے اس نے کہ زندگیاں سفر کر کے بھی اس کی دریافت کرنے کی جستجو نہیں مٹتی۔"

جانے پاپا نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا لیکن میرے سامنے شنزا حسام بیٹھی تھی اس محبت کو سب سے زیادہ دھوکہ کہنے والی۔

"تم موعود سے ملو گی تو تمہیں لگے گا وہ وہی شخص ہے جس کا مجھے انتظار تھا ہر شخص اسی شخص کا انتظار کرتا ہے جسے اس کا دل چاہتا ہے مگر پھر بھی ۹۹ فیصد لوگ ناپسند لوگوں کے ساتھ ان چاہی زندگی گزار دیتے ہیں جانے وہ پسندیدہ شریک سفر کب کیونکر اور کس قسمت کے دھنی کو ملتا ہے" بے ساختہ ماما اور پاپا کی الگ الگ زندگی مجھ میں بین ڈالنے لگی۔ جنہیں انتظار کا حاصل صرف انتظار ملا تھا میں نے گہری سانس کھینچ کر اسے پھر سے کھوجنا چاہا اور وہ موعود راشد کے قصے سنانے لگی۔

"وہ بہت بہادر ہے اس دن میرے سامنے اس نے دو افراد سے جھگڑا مول لے لیا تھا صرف اس لیے کہ ان میں سے ایک نے مجھے غلط ریمارکس دیے تھے وہ جی کڑا کر کے لڑنے والا ہے پھر اسے ہوش نہیں رہتا کہ موت بھی اس کی ہمرکاب ہو سکتی ہے اور ایک عورت کو اتنا مضبوط مرد ہی چاہنے کا حق رکھ سکتا ہے اس نے کہیں ٹریننگ نہیں لی لیکن وہ کسی آرمڈ آفیسر کی طرح بہادر جری زیرک ہے تم سے میں نے اکثر کہا تھا مجھے فوجی بندہ سوٹ نہیں کرتا لیکن اس کی بہادری سے کمٹمنٹ سوٹ کرتی ہے اگر مجھے کوئی سویلین ایسا نہ ملا تو میں جی کڑا کر کے کسی آرمڈ بندے کی ٹک ٹک ٹائپ زندگی پر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ لے لوں گی اگرچہ مجھے ڈسپلن اور ٹائم ٹیبل سے چڑ ہے مگر میں پھر یہ بھول جاؤں گی مگر علینہ ایسا نہیں ہوا مجھے وہ بندہ مل گیا ہے جسے دیکھ کر میں فخر سے کہہ سکتی ہوں یہ شخص میرا انتخاب ہے۔"

میں اسے دیکھتی رہی کہیں میرے اندر ہیر روئی کہیں سسی نے کراہٹ بھری مگر وہ کمن سے کہہ گئی۔

"میری زندگی کو صرف یہی شخص سنوار سکتا ہے کیونکہ اسے سنوارنا آتا ہے وہ ایک مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والا فرد ہے جس نے محنت کر کے تعلیم مکمل کی اپنی زندگی کا نا صرف خود راستہ متعین کیا بلکہ اس راستے پر چلنے کے لیے کسی بھی قسم کی مدد نہیں حاصل کی وہ ٹوٹلی سیلف میڈ پرسن ہے اور یہی چیز ہے جو مجھے اس کی طرف کھینچتی ہے۔"

میں نے خاموشی سے اسے دیکھا اور بہت خاموشی سے اٹھ کر آ گئی پتا نہیں یہ محبت کے باوجود میرے اندر اتنی خاموشی کیوں آن بسی تھی۔ میں نے پاپا کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دینے کی حسرت کی اور پاپا چہرہ موڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔

"تم شنزا کے گھر گئی تھیں ناں پھر؟" پاپا کا یہ لفظ داستان چاہتا تھا سو میں نے ریموٹ سے ایک میوزک چینل لگا کر پاپا کو سب کہہ سنایا پتا نہیں پھر

میرے لہجے میں خاموشی نے آنچ دی تھی یا میری آنکھوں میں حسرت دریدہ جگنو چمکا تھا بابا صوفے سے اٹھ کر میرے قریب فلور کشن پر آکر بیٹھ گئے تھے۔

"شیراز احمد تم سے ملتا ہے۔" آج کل یہ وہ سوال تھا جس کی دستک سے میرا وجود ہر وقت گونجتا رہتا تھا میرا دل چاہتا تھا اس کے ہاتھ ہوں میرا دروازہ وہ دستک دے اور پھر ہم ایک لمبا سفر کریں اتنا لمبا کہ زندگی ختم ہو جائے محبت نہیں مگر میرا دروازہ انتظار کی دیمک سے آہستہ آہستہ برادہ ہو گیا تھا اور وہ جو ایک شخص مجھے میرا بن کر ملا تھا وہ مجھ سے کھو گیا تھا۔

میں نے اسے کہا تھا وہ میرا سب کچھ ہے پھر اس نے اس سب کچھ میں سے میرا دل لیا اور مجھے راندہ درگاہ کر دیا میں منت کا دیا بھی نہیں رہی تھی ویران سرائے اور آنچ دیتا دکھ وہ مجھے کیوں چھوڑ گیا میں کس سے پوچھتی کس سے کہتی وہ تو کہتا تھا۔

"ساری زندگی تیری ہے دنیا چھوڑی جا سکتی ہے پر علینہ تم سے دل موڑ لینا ناممکن ہے۔" اور یہی ناممکن میرے راستے کا نوکیلا کانٹا تھا۔

"شیراز احمد سے تمہارا کوئی جھگڑا ہو گیا تھا ثاقب نے بتایا ہے وہ تم لوگوں سے پورے چھ مہینے سے نہیں ملا۔" بابا کو اتنی اندر کی رپورٹس تھیں میں انہیں دیکھتی رہی اور میری آنکھوں میں نم اترتا چلا گیا۔

"محبت کتنی آنکھوں کے آنسو پیتی ہے پھر بھی یہ کھاری بدذائقہ نہیں ہوتی لوگ اسے امرت سمجھ کر پی لیتے ہیں یہ میٹھی ہی میٹھی ہو کر ہمیں کبھی کبھی اندر سے کتنا تلخ کر دیتی ہے مگر یہ تلخی بھی کبھی کبھی اس محبت سے بار جاتی ہے محبت پھر کوئی نیا خواب نیا دھوکہ دے جاتی ہے تو کتنے ہی ماہ و سال اس اک اپنی خوشی میں بیت جاتے ہیں کہ شاید کوئی حصہ اس محبت میں شاید ہمارا بھی کوئی حصہ کہیں تقدیر کے کسی اونچے شلیف میں رکھا ہے جو ہمیں وقت پارسل کرے گا مگر دروازے راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں اور یہ دستک کبھی ہمارا من نہیں کھٹکھٹاتی۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو جان بابا کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ شیراز نے تو مجھ سے دسمبر کی بات کی تھی پھر۔"

دسمبر اور سرد شام ڈوب گیا سورج، میری آنکھیں خالی تھیں میں بابا سے کیا کہتی کہ وہ شخص جاتے جاتے کیا کہہ گیا تھا۔

"بھول جانا مجھے ہم تو اچھے دوست تھے ناں شادی وادی یہ تو بس یونہی کچھ وقت گزاری ہے تمہیں تو پتا ہے ناں میں کتنا فلرٹی تھا۔" میں نے بابا سے نظر موڑ لی یہ دکھ مجھ سے سہارا نہیں جاتا تھا اپنے سامنے تذلیل کا احساس شدت پکڑ لیتا تو دل کہتا۔

"مت جیو مر جاؤ" پھر آسمان پر نظر پڑتی تو ایک شرمندگی سے سر جھک جاتا زندگی اور میں اس کی ہوں پھر فیصلہ کرنے کا اختیار زندگی کو ہوا بس یہی بات ہر روز مجھے اگلے دن تک جینے پر اکساتی تھی سو میں بابا کے سامنے سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی تھی بیڈ شیٹ درست کرتے ہوئے تکیہ ٹھیک کرتے کرتے بے ساختہ انگلیاں کسی چیز سے مس ہوئی تھیں میں نے دیکھا اور یہ دعا میں ہر بار ہر روز کرتی تھی کہ میں اتنی مضبوط ہو سکوں کہ اس تصویر کو پھر سے کبھی نہ دیکھنے کی تمنا کروں مگر ہر بار دل اس فیصلے سے مکر جاتا تھا۔

"ہم لڑکیاں بھی کتنی پاگل ہوتی ہیں۔" میں نے کتنی ہی بار تگینہ تیمور سے کہا اور خود ٹوٹ ٹوٹ کر روئی اور وہ بس مجھے سکتے کی کیفیت میں دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔

"لکھو ناں تم مجھ پر کچھ لکھو کوئی بہت خوش کر دینے والی خواب دکھانے والی کہانی تمہیں تو رائٹر بننے کا شوق ہے ناں پھر آج تک مجھ پر قلم کیوں نہیں اٹھایا تم نے۔" میں اس سے جب پوچھتی وہ خود مجھ سے لپٹ کر رونے لگتی۔

"زندگی بہت ٹف ہے بہت رش اور بہت سیل نش ہم تو یونہی سچ دکھانے اور تلخ بیاں داستان پر جلے کٹتے تھے کہ کیا بکواس ہے مگر زندگی تو اس سے زیادہ بکواس ہے میں بھی نہیں لکھوں گی اب تو مجھ سے محبت پر کوئی خوش بیاں داستان پڑھی بھی نہیں جائے

گی رائٹرز تو پچاس فیصدی بھی تلخی نہیں انڈیلتے زندگی! زندگی بہت کڑوی ہے علینہ بہت کڑوی۔" وہ مجھے دلاسا دینے لگتی اور میں ہر شام کا آنچل تھام کر ایک ہی بات پوچھتی۔

"کیا کمی تھی مجھ میں کہ محبت نے مجھے رد کر دیا شیراز احمد تمہاری باتوں پر تو میں آنکھ بند کر کے یقین کر لی تھی اور اس یقین کا سرا تھام کر چلتی تھی میں نے تو کبھی یہ نہیں کہا میں چیلنج ہوں جسے تم کبھی جیت نہیں سکتے میں نے تو کبھی تمہاری مردانہ انا پر ضرب بھی نہیں لگائی تھی میں نے بہت خاموش محبت کی تھی اور ہر لمحہ دعا مانگی اگر دنیا میں کسی کو میرا کرنا ہے تو صرف اس شخص کو میرا کرنا اور جو یہ تیرا انتخاب نہ ہو تو پھر مجھے امتحان میں مت ڈالنا میں نے بہت صاف ستھری اور نتھری زندگی گزاری ہے مجھے کسی سانحے زندگی کا حصہ مت بنانا۔"

تب اس نے ہر اختیار لہجے اور رویے سے یہی جتایا تھا وہ ہی میرا اپنا ہے لیکن اب بہت دن ہوئے میں نے اپنے سامنے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا پتا نہیں کیوں اس نے مجھے چیلنج کی طرح قبول کیا۔ مجھے آزمایا اپنے ہونے کا احساس مانگ کر مجھے بے روح کر دیا تھا وہ جانتا تھا محض دوستی میں لہجے میں اتنے رنگ اتنے پھول نہیں کھلتے جتنے اسے دیکھ کر میرے لہجے میں مہک دیتے تھے مگر پھر بھی وہ اس مہک کو جذب کرنے کی بجائے ٹھکرا گیا تھا۔

یکدم سوچتے سوچتے میرے ذہن کو فون بیل نے جھنجھوڑ ڈالا تھا تیلی فون بیل بند ہو چکی تھی مگر انٹر کام کی بیل ہو رہی تھی۔

میں نے ریسور اٹھایا دوسری طرف بابا فون اٹھانے کا ہی کہہ رہے تھے۔

"آپریٹر تم سے کسی کی بات کرانا چاہتا ہے بیٹا۔"

"ہیلو اسلام علیکم۔" میں نے قدرے بے زاری سے کہا مگر دوسری طرف کی خاموشی۔

گہری سانس اس طرح صرف شیراز احمد سانس بھرا کرتا تھا ہم سب اس کی اس طرح کی برفاب سانس پر ہمیشہ ہی اس کا ریکارڈ لگا دیتے تھے۔

"تجھے دیکھ کر لگتا ہے اکتوبر میں دسمبر ہو گیا اتنی ٹھنڈی سانس لیتا ہے کہ جی گھبرانے لگتا ہے کچھ رونگ تو نہیں ہے تیری زندگی میں۔" ثاقب ایک لطیفے کو ری کال کرتا اور ہم اس کی ٹھنڈی سانس کو بھول کر پھر سے شزا حسام کے سر ہو جاتے کہ وہ پھر سے اس لطیفے پر ایکٹ کرے مگر۔"

"شیراز۔۔۔" مجھے لگا میری آواز صرف آواز نہیں ایک زنجیر تھی جو اسے باندھ سکتی تھی مگر میری آواز کچھ بھی نہیں تھی خالی خولی آواز تھی بے رنگ بے تاثیر لائن ڈس کنکٹ ہو چکی تھی میں خالی ریسیور کو تک رہی تھی۔

سی ایل آئی پر نمبر دیکھا آؤٹ آف ایریا میرا من چڑا رہا تھا بے سبب بہت سارے دکھوں نے اکٹھا میرے غم پر رونا شروع کر دیا تو پھر میری چیخیں کب تھمنی تھیں میں روئے جا رہی تھی ہچکیاں لے لے کر جب اچانک کسی نے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"بابا۔۔۔" میں اٹھ کر بابا کے سینے سے لگ کر پھر سے رونے لگی۔

"جن کا کوئی نہ ہو ان کا دکھ ان پر کتنا روتا ہو گا۔" میں نے دل کو ـــــــــــــــــــــــ کہتے سنا اور بابا کے ہونے کے زعم سے غم کو ہلکا ہوتے پایا۔

"میں آپ کی بیٹی ہوں بابا مجھے آپ کی طرح بہادر ہونا چاہیے۔" جانے یہ اطلاع میں نے بابا کو دی تھی یا خود کو سمجھانا چاہا تھا مگر یہ ضرور تھا کہ دوسری صبح میں بہت کمپوز تھی میں نے بابا کا دفتر جوائن کر لیا تھا اب ہم تینوں کا وقت زیادہ تر شزا حسام کے گھر گزرتا تھا ثاقب مرتضیٰ اس کی رخصتی کے گیت گاتا رہتا تھا اور میں صوفے پر بیٹھی اسے دیکھا کرتی۔

"یہ بھی تو دوست تھا میرا پھر میں نے شیراز احمد کو صرف دوست کیوں نہیں سمجھا۔"

شاید یہ سمت خود محبت نے اختیار کی تھی شاید میں

نے کبھی سوچا نہیں ثاقب مرتضیٰ بھی کوئی صنف مخالف کا فرد ہے یا شاید ہم تینوں شیراز احمد کے مقابلے میں بچپن سے اکٹھے تھے اس لیے ہمیں لگا کرتا تھا ہمیں ہمیشہ ہی ایسے رہنا ہے اکٹھے اور اسی بندھن میں پھر کالج سے شیراز احمد نے جوائن کیا تب مجھے لگا دوستی‘ عزت‘ محبت بھی کوئی شے ہوا کرتی ہے مگر میرا سب کچھ کیوں لٹ گیا دل چیخے جاتا اور میں دل پر حسرت سے دیکھے جاتی یہاں تک کہ شنزا احسام‘ موعود راشد کی شادی کردی گئی ہمارا خیال تھا وہ ہم سے الگ ضرور ہے مگر شنزا کی شادی کو وہ بھی مس نہیں کر سکتا مگر نظریں تھک گئیں وہ نہیں آیا ہم سب نے اس کی جدائی کو قبول کرلیا تھا جب بہت اچانک اخبارات میں شیراز کے بابا احمد بشیر صاحب کے بارے میں عجیب و غریب خبریں لگنا شروع ہو گئیں ہم سب ہل کر رہ گئے تھے اور میں بجلی کی سی سرعت سے یونیورسٹی جا پہنچی تھی اعزاز احمد شیراز کے بڑے بھائی خود گم صم میرے سامنے تھے۔

"کیا یہ سب سچ ہے انکل کی سیاست اور اس کو قائم رکھنے کی یہ کوشش کیا یہ سب درست ہے۔" اعزاز احمد کی آنکھوں میں میرے دل کی طرح خاموشی بیٹھ گئی۔

"بابا چاہتے تھے میں ان کی سیٹ سنبھالوں مگر مجھے ان کی زرد سیاست بالکل پسند نہیں تھی مگر مجھے شعور چھیننے سے بہتر شعور دینا اچھا لگتا تھا بابا مجھ سے خفا تھے ان کی تمام تر تمناؤں کا رخ شیراز کی طرف تھا مگر وہ اچانک کہیں چلا گیا تب بابا کمزور پڑ گئے اور جب دشمن کمزور ہو جائے تو جھوٹ سچ میں زیادہ فرق نہیں رہ جاتا مگر اسے اس کی کوئی پروا نہیں ہے وہ کہتا ہے میں جب تک بابا کے سامنے رہوں گا ان کے اختیارات کی خواہش کم نہیں ہوگی وہ اور اور کی گردان کرتے ہوئے نجانے کتنی زندگیوں کو اجیرن کردیں گے بس اس لیے میں ان کے سامنے سے چلے جانا چاہتا ہوں تاکہ میرے خاندان کی حد تک ہی سہی اس ملک کی تباہی رک جائے میں بہت زیادہ نہیں کر سکتا مگر اپنی ذات دے کر اپنی محبت دے کر اگر اس ملک کو کسی طرح سے بچا سکتا ہوں تو میں یہ جنگ ضرور لڑوں گا۔"

اعزاز احمد کی آنکھوں میں نم اتر آیا۔

"تم آج تک سمجھتی رہیں نہ شاید کسی بہتر مستقبل ________ کے لیے محبت کو خیرباد کہہ گیا ہے۔" میں نے انہیں دیکھا میری آنکھوں میں آج تک کی رد کردیئے جانے کی اذیت ایسے ثبت تھی کہ کچھ کہنا بے معنی سا لگا اور اعزاز احمد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"مجھے یقین تھا تم نے ایسا ہی سمجھا ہوگا اس لیے آج تم بے قرار ہو کر آئی ہو تو مجھے لگا کہ میں یہ سچ چھپا کر کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کر رہا نہ تمہارے ساتھ نہ شیراز کے ساتھ اور نہ ہی محبت کے ساتھ مجھے لگا اگر تمہیں شیراز کی بے وفائی نے جینے ہی نہ دیا تو؟ تمہارا جنوں۔ اس کے لیے تمہارا جنوں تو اس نے بڑھ کر ہے جتنا وہ سمجھا یا مجھ سے شیئر کر سکا تم اسے کبھی بھلا نہیں سکتیں لیکن اپنی محبت اچھی روح پر خرچ ہونے کی مسرت مجھے لگتا ہے تمہارا یہ دکھ کم کردے گی۔

علینہ بیٹا یہ زندگی بہت بڑی ہے اس میں جینے کے لیے انسان کو ہزار بہروپ بھرنے پڑتے ہیں بقا کی جنگ لڑنی پڑتی ہے تب کچھ سانسیں میسر آتی ہیں اور میں چاہتا ہوں تم اس زندگی کو ویسا ہی اپنا کرکے پھر سے دیکھو جیسا پہلے جیا کرتی تھیں تم ہوسکے تو شیراز کو بھول جاؤ وہ اب تمہارے لیے نہیں رہا۔"

"شیراز احمد میرے لیے نہیں رہا؟" میں نے دل سے پوچھا پھر اعزاز احمد کی طرف دیکھا مگر کچھ کہے بغیر میں وہاں سے اٹھ آئی تھی لیکن سارے راستے مجھے یوں لگا تھا جیسے میں کسی پرشور سمندر کے کنارے آن لگی تھی اور یہ سچ ہے انسان ساری زندگی اگر محبت جتلانے سے ڈرتا ہے تو صرف اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو سامنے والا کہے "واٹ محبت" اس کھوٹے سکے کی اب مانگ کہاں تم کس آس پر اس خزانے کو لیے بیٹھے ہو بازار مصر میں انسان بک جاتے ہیں محبت تو بہت کم

تر ہے بکنے مٹنے میں سب سے آگے سب سے سستی۔

انسان صرف تمام عمر اس خوف سے سہا رہتا ہے کہ اس کی سب سے قیمتی محبت کہیں کسی ہرجائی پر تو خرچ نہیں ہو رہی اور بہت کم محبت ہوتی ہے جو دلوں کا چین زندگی کا آسرا بنتی ہے فی زمانہ محبت سائبان چھین کر تیز دھوپ میں لا کھڑا کرنے والے ہاتھ ہیں یہ صحرا ہے اور محبت اس میں بوند بوند ٹپکتا ساون پھر صحرا میں بوند کہاں ٹکی کہاں جذب ہوئی کون کس سے سوال کرے کتنے دل پیاسے مرے پھر کون خون بہا مانگے ان دلوں کا‘ محبت کب سنتی ہے کب دل سے سنتی ہے۔

میں بے مقصد سڑکوں پر گھوم رہی تھی اور محبت میرے دل میں مرہم رکھ رہی تھی کہ میرے نصیب نے افضل محبت کو چنا تھا اور بہت کم لوگ ایسا ایثار کرتے ہیں جیسا شیراز احمد نے کیا تھا مجھے یک بیک خود پر فخر ہونے لگا تھا کہ میں نے محبت کرنے میں دھوکہ نہیں کھایا تھا میں نے خالی خولی وجود کو مرکز نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسے شخص کو چاہا تھا جو روح تھا جو دل تھا اور جسے محبت کرنا آتی تھی۔

میں یکدم ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھی آج میرا ارادہ تھا میں شنزا کے گھر جاؤں بہت دن ہوئے تھے محبت کو کسی کا دل آباد کرتے دیکھے میں نے موبائل پر ہی بابا کو دفتر سے شنزا احسام کے گھر جانے کا پروگرام بتا دیا تھا اس لیے میری ساری توجہ کام کی طرف تھی پھر شام چھ بجے میں دفتر سے اٹھی تھی میرا خیال تھا موعود راشد کے ساتھ میں اسے بہت خوشگوار موڈ میں دیکھوں گی اور میرا خیال ٹھیک نکلا تھا وہ بہت ڈھیر سارے خواب سجائے ایک کیٹلاگ دیکھنے میں مگن تھی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی۔" میں نے اطلاعاً کھنکارا اور وہ چونکی۔

"علینہ مائی سویٹ فرینڈ" اس نے سب کچھ چھوڑ دیا صرف میری طرف متوجہ ہو گئی تھی اور اس کی یہی اٹینشن یہی امپورٹنس دینے کی عادت ہم سب کی پسندیدہ عادت تھی۔

"کیا دیکھا جا رہا تھا۔" میں نے بھی فلور کشن گھسیٹا اور اس کے سامنے آن بیٹھی اس نے ایک صفحہ الٹ کر میرے سامنے کردیا۔

"موعود اور میں نے یہ گھر پسند کیا ہے تم بتاؤ کیسا ہے۔"

میں نے دیکھا یہ ایک بہت شاندار کوٹھی کی تصویر تھی ٹیرس گارڈن پائیں باغ سوئمنگ پول یہ بہت غضب کی لوکیشن تھی۔

"بہت پیارا گھر ہے لیکن تمہارے پاس یہ گھر ہے تو۔" میں نے نفاست سے سجے گھر کی طرف توجہ مرکوز کی اور وہ ہنسنے لگی۔

"موعود سے میں نے بھی یہی کہا تھا میں نے کہا موعود اتنی مشکل سے میں نے اس گھر کو سیٹ کیا ہے یہاں کے در و دیوار کو اپنا کیا ہے سمجھا ہے ہم یہاں بہت کمفرٹ فیل بھی کرتے ہیں پھر تم یہ نئے گھر کی بات کیوں کر رہے ہو تو پتا ہے کیا کہنے لگا۔"

میں نے سوال آنکھوں میں بھر لیا اور وہ پہلے سے زیادہ جذب سے بولی۔

"وہ کہنے لگا تم میری محبت کی پہلی اور آخری — شہزادی ہو اور شہزادیوں کو ان کے شایان شان گھر تو ملنا چاہیے یہ کیٹلاگ میں نے دس سال سے سنبھال کر رکھی ہے اب تو اس خواب کے پورے ہونے کے دن آئے ہیں مجھے یہ گھر بنانا ہے تمہارے لیے اپنے لیے ہم دونوں کی محبت کے لیے بس علینہ پھر مجھ سے کوئی اور سوال نہیں ہو سکا‘ وہ کہنے سے بھی زیادہ کرنے والا ہے کہ اندھا اعتماد کرنے کو دل چاہتا ہے وہ صرف بہادر ہی نہیں محبت میں کریزی ہے اور مجھے اس کا یہ مر مٹنے والا محبت کا انداز بہت اپیل کرتا ہے علینہ اگر اس کے کردار سے یہ محبت کا انداز اور بہادری نکال دو تا تو وہ زیرو پرسنٹ پرسنالٹی بن جائے اور اور پھر شاید میں اس سے محبت بھی نہ کر سکوں۔"

"لیکن انسان تو خوبیوں خامیوں کا مرکب ہوتا ہے شنزا ہر انسان کی خامیوں کے لیے کچھ مارجن تو دینا

چاہیے۔"

"ہاں مگر تم جانتی ہو' میرے لیے محبت کیا ہے؟" میں نے دانستہ اس کی آنکھوں سے نظر چرالی مبادا اس کے خواب میری تلخ بصارتی سے کملا نہ جائیں میرے لیے محبت خواب سے حقیقت بن چکی تھی لیکن اس کے لیے ابھی محبت صرف خواب تھی اور خواب نگر کے رستے پر فکر و خیال کے قافلے نہیں جا سکتے محبت کا ہر راستہ بھول بھلیوں کی طرح ہے ایک بار داخل ہو جاؤ پھر محبت کے دھوکے بہلاوے نئے خواب ایک کے بعد ایک نئے خواب اسے باہر نہیں آنے دیتے یہاں تک کہ ایک اور محبت خواب بن جاتی ہے بہت سے جھوٹے افسانوں کے ساتھ' وہ افسانے جن میں سے سچ الگ کرنا دشوار ہوتا ہے اور جو اس تال پر پہلی بار ہر دھڑکنے والے دل کو لبھاتے ہیں۔

"تم مجھے ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔" اس نے مجھے چونکایا اور میں نے اپنے خیالات اپنے اندر اتار لیے۔

"کچھ نہیں محبت کے حسن پر سوچ رہی تھی شہزا تو پہلے صرف خوب صورت تھی پر اب محبت نے تیرے حسن کو دو آتشہ کر دیا ہے جی چاہتا ہے محبت تیرے لیے ہمیشہ دین رہے ہمیشہ تیرا دامن بھرتی رہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ہم مل کر شام کی چائے پینے ٹیرس پر آگئے ملازم ٹیبل پر لوازمات ارینج کر چکا تھا بھاپ اڑاتی چائے اور شہزا حسام کے ہاتھ کے بنے ہوئے ایرانی کٹلس شہزا ایسی ڈش بہت اچھی تیار کرتی تھی اور ہم ہمیشہ اس کے گھر اس فرمائش کے ساتھ وارد ہوا کرتے وہ نہایت مزے سے اپنے کام میں مگن رہتی اور شیراز احمد ثاقب مرتضیٰ اسے ہولائے دیتے مگر اب پتا نہیں یہ شیراز احمد کہاں ہوگا؟ یکدم مخالف سمت سے آنے والے خیال نے "یاد ماضی عذاب ہے یا رب" ـــــ کو ٹیس دی تو میں نے بے ساختہ نظر آسمان پر ٹکا دی۔

"اے ارض و سما کے مالک کیا ایک شیراز کو میری زندگی میں واپس پلٹ دینا اپنی حد کو چھوڑ دینے والی خواہش ہے جو تو اسے مجھے نہیں دیتا میرا دل اس کا گھر ہے اور گھر بہت عرصہ ویران رہے تو وہاں جالے لگ جاتے ہیں ویرانی ڈیرا ڈال دیتی ہے اور دیواروں کو سیم کھا جاتا ہے دل کی دیواروں کو تو یوں بھی کہ یہاں محبت نہ ملنے پر آنسو رولتی ہے اتنے آنسو کہ پھرے سمندر بن سکتا ہے یہ تو جانتا ہے یہ آنسو دل کی نیو میں بیٹھ جائیں تو کھوکھلا کر دیتے ہیں انسان کو انسان اندر سے مر جاتا ہے بس باہر سے جیتا ہوا سا لگتا ہے اور پھر کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ یہ دھوکہ بھی مٹ جاتا ہے اور انسان باہر سے بھی مر جاتا ہے پورا کا پورا اگر کچھ بچتا ہے زندہ تو محبت اور اس پر جی کھول کر رونے والا دل۔ کیا میرا بھی نصیب میرے پچھلوں جیسا ہوگا کیا میرا دل بھی خالی ویران سرائے ہوگا جہاں محبت بھی چراغاں نہیں کرے گی کبھی خوشیوں کے سنگ دل بیزار نہیں کرے گا کیا میرا دل۔

"علینہ اٹی تھنک رونگ۔" شہزا حسام نے مجھے چھوا اور میں ہڑبڑا کر ہوش و خرد میں لوٹ آئی۔

نتھنگ ورونگ مائی لٹل ڈول۔" میں نے دانستہ ہنستے ہوئے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی اور شہزا حسام نے کہا۔

"حیرت ہے تمہیں ابھی تک یہ لطیفہ یاد ہے۔" اس نے مجھے طرح دی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس بحث میں کود گئی۔

کسی نے کہا۔ "زندگی لطیفہ ہے جب یہ ہزاروں سال پرانا ہو کر بھی ابھی تک ہنسنے پر مجبور رکھتا ہے تو یہ تو ہماری کالج لائف کا چٹکلہ تھا۔"

"زندگی لطیفہ؟ مگر تم تو کہتی تھیں زندگی وقت کا سب سے مشکل مضمون ہے آپ جتنی بھی محنت کر لیں آپ کو نمبر پورے کھینچ کھینچ کر ملتے ہیں سو کوشش کرنی چاہیے اس مضمون میں سپلی نہ آئے۔"

"ہاں مگر ثاقب کہتا تھا تم ڈفر ہو علینہ ورنہ زندگی ہی تو واحد کھیل ہے جس میں غلطی ٹھیک کرنے کا موقع نہیں ملتا اور یہ وہ مضمون ہے جس میں سپلی نہیں دی جا سکتی سو سب اچھے پر اچھی جائے رہائش

اور ہر برے عمل پر بری جگہ ہمارا نصیب بنتی ہے۔" میں نے اس کی بات کلی اور وہ بے سبب نگینہ کو یاد کرنے لگی جس نے اس لمحے سر کھجا کر فلاسفر موڈ میں کہا تھا۔

"مگر گائز اگر شمار کریں زندگی کے اچھے بار جن کا تو دنیا سب سے بری جگہ ہے رہنے کی اور زندگی بری ترین اور سب اس سزا کا کیا ہے یہ پتا ہی نہیں۔"

اس لمحے ہم سب نے قہقہہ لگا کر اسے سب سے زیادہ مار کس دیے تھے اور شیراز احمد تھا اس لمحے سب سے او کھا بولا تھا ہم سب کی نظریں اس پر تھیں اور اس نے بحث سمیٹنے کی کوشش میں سچائی سے کہا تھا۔

"زندگی کی آسائش رکھ کر زندگی کو برا کہنا ایسے ہی ہے جیسے کسی پاکستانی سیاست دان کے سچے ہونے کی بحث پا قسم کھائی جائے تم لوگ کس قدر ڈفر ہو منہ کا مزا بدلنے کو کیسے کیسے کو سب کرتے ہو زندگی پر اگر زندگی سن لے ناں تو تمہیں آخری بینچ پر کھڑا کر کے خوب سزا دے۔"

کاش شیراز احمد تم جان سکتے زندگی نے واقعی ہماری گوسپ سن کر ہمیں آخری بینچ پر کھڑا کر دیا ہے اس نے ہمیں کوئی تلخ سزا نہیں دی بس ہمارے دلوں کو محبت دے دی اور بس یہی محبت درد کی طرح رگوں میں پھیل گئی ہے کاش تم جان سکتے محبت نے ہمیں کیسے کیسے نہیں ستایا اور زندگی نے کیسے کیسے نہیں آزمایا۔

"علینہ تم رو رہی ہو۔" شہزا حسام نے بے قراری سے مجھے اٹھا کر بانہوں میں بھر کر سوال کیا اور میرا دل چاہا شہزا مجھے ایسے ہی تھامے رہے ورنہ شاید میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں میرے اطراف کسی کی محبت میں لیے عہد شکستوں کے جال ہو گئے تھے میں کمزور ہو گئی تھی میں لمحہ لمحہ کمزور ہو رہی تھی مگر وہ جو میری آنکھوں کو انتظار سونپ کر گیا تھا وہ اس انتظار کو طویل سے طویل تر کرتا جا رہا تھا شاید اسے میرے ٹوٹ کر گرنے کا انتظار تھا یا وہ شاید مجھے عام لڑکی سے کہیں زیادہ مختلف اور خاص لڑکی سمجھتا تھا اس کو گمان تھا مجھ میں میرے پاپا کی وجہ سے قوت برداشت کی اتنی طاقت ہے کہ پوری دنیا بھی مجھے چھوڑ جائے تو میں اسی وقار تمکنت سے کھڑی رہ سکتی ہوں۔

اور واقعی وہ اس سلسلے میں قطعاً" غلط رائے کا حامل نہیں تھا مگر وہ آجاتا تو میں اس سے ضرور کہتی۔

"ہاں اگر مجھے پوری دنیا بھی چھوڑ جائے تو میں لڑکھڑاؤں گی بھی نہیں نہ میری آنکھیں نم ہوں گی لیکن پوری دنیا میں سے اگر کوئی مجھ سے اسے چھین لے تو پھر زندگی کرنے جینے کو دل نہیں کر سکتا میں ٹوٹ ہی نہیں بلکہ مر جاؤں گی اس کی ذات میری ذات کا حصہ ہے اس کا لہجہ میری آواز کو مکمل کرتا ہے پھر ادھوری زندگی جینا ہر ایک کا اسٹیمنا کب گوارا کرتا ہے۔"

"علینہ مت روؤ تم اتنا ہچکیوں سے سسکیوں سے کب روئی تھیں۔"

"مجھے پہلے کسی سے اتنی محبت بھی کب ہوئی تھی میرا دل تو سادہ کاغذ تھا پہلا اور آخری نام اس کا لکھا پھر چھینا گیا تو میرے آنسو کیسے تھمتے کیونکر تھمتے کاش شہزا میں تمہیں سمجھا سکتی کسی کے قدموں کی آمد کا انتظار کرنا جاں گسل ضرور ہے مگر کسی کا آکر چلے جانا دہلیز دل کو دیمک بن کر چاٹ جاتا ہے پھر کوئی کیسے کہے گھر میں دروازہ نہ رہے تو کیسے کیسے دکھ بہروپ بھر کر آتے ہیں کیسے کیسے لوگ دل کو تاراج کرتے ہیں کیسے کوئی اس درد کا نقشہ کھینچے۔

"مت روؤ میں جانتی ہوں شیراز تمہارے لیے کیا تھا مگر اب وہ تمہارا نہیں رہا ہے تو تم اسے بھول جاؤ بھولنے کی کوشش تو کرو۔"

میرے اختیار میں کب تھا کہ میں شیراز احمد کو بھول جاتی میں خود کو بمشکل سنبھال پائی تھی شہزا مجھے گھر تک ڈراپ کرنا چاہتی تھی مگر میں جانتی تھی وہ اس وقت موعود راشد کی منتظر ہے اور جب انتظار کسی اپنے کا ہو کسی نے واقعی آنا ہو تو بصارت کا دہلیز سے ہٹا کر کسی اور کا راج میں لگ جانا ـــــ بے حد دشوار اور ناپسندیدہ عمل ہے سو میں اسے اس کی پسندیدہ کیفیت میں محو چھوڑ کر گھر آگئی پاپا میرے ـــــ جلدی لوٹ

آنے پر حیران رہ گئے تھے وہ بہت خاموشی سے مجھے ٹکل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب جے سمین نینی ہمارے لیے کافی بنا کر لائیں تو پاپا کا سارا ضبط جواب دے گیا اور وہ اٹھ کر بالکل میرے برابر آن بیٹھے۔

"علینہ میرے پیارے بیٹے آخر آج کل تم اتنے زیادہ ڈسٹرب کیوں رہتے ہو۔"

محبت خلفشار کا نام ہے یہ ایک بھاری پتھر ہے جو رکے ہوئے پانی میں دائرے ڈالتا ہے شور کرتا ہے انسان کو اندر باہر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے مگر پھر بھی ہر دل محبت کرنا چاہتا ہے۔ سنو علینہ اگر تمہیں ایک بار پھر فیصلہ کرنے کا اختیار ملے تو کیا تم پھر محبت کرو گی۔

میرے اندر کی علینہ نے مجھ سے سوال کیا پاپا بالکل پس منظر میں چلے گئے میں نے تب آنکھیں بند کیں اور خود سے یقین سے کہا۔

"ہاں اگر شیراز احمد میرے سامنے ہو تو میں ہر بار یہ فیصلہ کروں گی بلکہ مجھے سوچنا ہی نہیں پڑے گا اور محبت خود بخود مجھ میں دھڑک اٹھے گی کہ ایک شیراز احمد ہی کا تو مجھے انتظار تھا صرف وہی مجھے پا سکتا تھا کیوں کہ اسے پالینا آتا تھا اسے میرا ہونا ہی تھا کہ اس کی طرح مجھے بھی اسے اپنا کرنا آتا تھا ہم دونوں ایک دوسرے ہی کے لیے بنے تھے۔"

"علینہ تم ٹھیک ہو بیٹا؟" پاپا نے مجھے قریب کر کے میرے بال سنوارے تب میں نے آنکھیں کھول کر پاپا کو دیکھا کیا اتنے پیارے ہینڈسم پاپا کسی اور کے ہوں گے مگر کچھ دنوں سے انہیں میری پریشانی نے کتنا کملا دیا ہے یہ صرف پینتالیس سال کے ہیں مگر میری ٹینشن کی وجہ سے اڑتیس سے زیادہ کے نہیں لگتے مگر اب لگتا ہے پینتالیس سال میں یکدم سے اڑتیس سال بھی مل گئے تھے بہت کمزور بہت بوڑھے لگنے لگے تھے پاپا۔

"پاپا مت پریشان ہوا کریں میرے لیے تو بالکل نہیں۔"

"کیوں کیا تمہارے لیے کوئی آ گیا ہے پریشان ہونے والا" پاپا نے دانستہ شوخی دکھائی اور جب سے شیراز گیا تھا پاپا چھوٹے چھوٹے جملوں میں سوال رکھ کر مجھے کھوجتے تھے مگر میں کیا کہتی شیراز احمد کب مجھے پہاڑ دے کر رخصت ہوا تھا جو میں انہیں اس سوال کا جواب دیتی اور جب اسے صرف کھو جانے کا گریز تھا تو وہ پتا ٹھکانہ دیتا بھی کیسے مگر یہ کم بخت دل مانتا ہی کب ہے خرد کی باتیں۔

میں نے پاپا کو پھر سے دیکھا ان کی نگاہیں مجھ پر ہی مرکوز تھیں۔

"پاپا ایک بات کہوں۔" میں نے پاپا کے ہاتھ تھام لیے تھے کہتے ہیں دکھ میں سہارنے والا ساتھ ہو تو دکھ کم لگتا ہے اور آج میں پاپا کو حقیقت کی سمت لانا چاہتی تھی پاپا خاموش مجھے دیکھ رہے تھے جیسے وہ ہر لفظ کو معنی دینے کے متمنی تھے۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے بیٹا۔" پاپا نے مجھے واپس اپنی سمت لوٹایا تب میں نے ان کی گود میں سر رکھ دیا شاید دکھ سہارنے کی قوت مجھ میں بھی نہیں بچی تھی کیا یہ ظلم سا ظلم تھا بے دردی سی بے دردی تھی کہ مجھے کہنا تھا شیراز احمد اب کبھی نہیں آئے گا اس کے آنے کا اب کوئی شگن دل کو لینے مت دیجئے کوئی منت مت رکھیے کہ شیراز احمد کے کسی کل میں کسی آج میں آپ کی علینہ کا نام نہیں آپ کی علینہ آپ کی طرح محبت میں مایوس — رہے گی کہ اسے محبت آپ کی طرح پسند ضرور ہے مگر آپ کی طرح راس نہیں میں نے سوچا کتنی ہی دفعہ بلا آخر پھر کہہ ہی دیا پاپا نے بے یقینی سے مجھے دیکھا دیکھتے رہے پھر جانے انہیں کیا ہوا مجھے خود سے بھینچ کر آسمان زمین ایک کر کے رونے لگے۔

"محبت نے مجھ سے جو روا رکھا میں نے سہا مگر میری علینہ کے ساتھ ایسا کیوں ہوا کیا ہر محبت کرنے والا صرف دکھ ہی بھوگتا ہے نہیں نہیں میں مایوس نہیں ہوں گا میں اپنے محبت کے خدا سے کہوں گا مجھے جتنے دکھ دینے ہیں وہ دے سکتا ہے مگر بس ایک میری علینہ کی ہونٹوں کی مسکان واپس لوٹا دے تمہاری آنکھ میں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا علینہ میں تمہارے

آنسوؤں کے سامنے بارش میں نمک کے مکان جیسا ہوں میں ڈھے جاؤں گا مجھے تمہارا دکھ جینے نہیں دے گا اے خدا، اے خدا۔" پاپا بس یہی ایک لفظ کہے جا رہے تھے جانے ان کے اندر کتنی دعاؤں نے ہاتھ پھیلائے ہوں گے مجھے لفظ نہیں سنائی دیے مگر اس لمحے پاپا کا وجود معبد میں دعا کی طرح گونجتا ہوا لگا ان کے لفظ خود بخود حوصلہ بننے لگے تھے مجھے لگا۔ بہت اچانک — مجھے لگا شیراز احمد بس مجھ سے ایک قدم کے فاصلے ہی پر تو کھڑا ہے میں چاہوں تو اسے چھو سکتی ہوں۔ خوشگوار احساس نے مجھے چھوا تھا میں نے پاپا کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں دلاسا دیا تھا اور دوسرے دن دفتر گئی تھی تو بہت اچانک سکتے میں آ گئی تھی۔

ثاقب مرتضیٰ ایک اخبار میں کارٹونسٹ تھا وہ مختلف ماہناموں کے لیے اسکیچ آرٹسٹ کے کام میں بھی مگن تھا دولت روپیہ اس کا مسئلہ نہیں تھا یہ سب اس کی ہابیز تھیں اس لیے بہت اچھا وقت گزر رہا تھا اس کا مگر محض ایک مہینہ بعد میں اسے اپنے دفتر میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی وہ بہت نک سک سے درست رہتا تھا اس کا لباس نشست و برخاست سب بہت نفیس تاثر چھوڑتے تھے لیکن آج میں نے اس ثاقب مرتضیٰ کو بہت رف حلیے میں دیکھا تھا گھسی ہوئی جینز شیو کرتا ہلکی ہلکی شیو اور انگلیوں میں دبا ہوا سگریٹ وہ سگریٹ نوشی کے نقصانات پر شیراز احمد کو ہمیشہ لیکچر دیا کرتا تھا اور ایسے ہر موقعے پر نگینہ تیمور اس کی جیب سے سپاری ٹائپ کی چیزیں برآمد کرتے ہوئے چیختی۔

"شیراز کے اگر بالفرض پھیپھڑے جواب دے گئے تو تمہارے گردے کہیں نہیں گئے۔" اور وہ اترا کر کہتا۔

"شکر کرو گردے کہیں نہیں گئے پھیپھڑوں کی خیر مناؤ یہ تمہاری سب سے عزیز ترین کسی دوست کی جان ہیں۔" اور میں بے دل ہو جاتی تھی کیونکہ میں سمجھتی تھی میں خود کو بہت اچھی طرح کور کر سکتی تھی مگر یہ بات خود بخود ہم فرینڈز میں مشتہر تھی بس سب اس اہم تعلق اور محبت کی اوپننگ سیرمنی چاہتے تھے اور وہ لمحہ کب آیا کیسے ہاتھوں سے پھسل گیا خبر نہ ہوئی میں نے یہ غم ضبط کے پردے میں چھپا لیا مگر یہ ثاقب مرتضیٰ یہ کس غم کا اشتہار بنا ہوا تھا۔

"کیا ہوا تمہیں یہ تم اسموکنگ کب سے۔" میں نے ادھورا جملہ اختیار کیا میں اس کی پوری بات سننا چاہتی تھی اور وہ بہت رومینٹک ہو کر بولا تھا۔

"علینہ مجھے مجھے محبت ہو گئی ہے۔"

"تمہیں محبت۔۔۔" میری آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔

یہ آخر محبت ہم میں سے ہر ایک کو ہی اجاڑ کر چھوڑے گی کیا بے دھیانی میں کی گئی باتیں ان کہی ہو کر اس طرح چبھتی ہیں کہ کہنی کے درمیان انسان معلق رہ جاتا ہے اور ان کہی کہنی سے زیادہ بے درد ہو کر ہمیں اندر ہی اندر سے بہتی چلی جاتی ہے ان کہی پیاس ہے اور پیاس لمحوں سالوں قرنوں پر پھیلا ہوا صحرا ہے جتنا دکھ کے ساون برسیں جتنا دل کا لہو بہے یہ ان کہی بہتی چلی جاتی ہے ہمیں سوکھا دھان کر دیتی ہے ہم ایک اور ان کہے کے کہنے میں آ جاتے ہیں میں نے خود کو بروقت سنبھال لیا تھا اب میں اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

"تمہیں کس سے محبت ہوئی؟" اس نے والٹ سے ایک تصویر نکال کر میرے سامنے ڈال دی۔

"عشاء سرور تمہیں شاید معلوم ہو ہماری فلائنگ کلب کی جان ہے موسیقی آرٹ زندگی ہر موضوع پر بہت دھواں دھار بول سکتی ہے۔"

عشاء سرور یکلخت مجھے لگا یہاں بھی محبت نے ہمیں مات دی تھی ورنہ کیا یہ ضروری تھا کہ ہمارے ونڈر دی گریٹ فرینڈ کو ساری لڑکیوں کو چھوڑ کر عشاء سرور پر ہی دل ہار دینا ہنر کمال لگتا۔

"تمہیں جھٹکا لگا ہے ناں۔ لگے گا جب میں نے پہلی بار آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود سے یہ راز شیئر کیا اور کہا ثاقب مرتضیٰ کیا تم عشاء سے محبت کرنے لگے ہو تو کتنی ہی دیر تک میرا دل سکتے کی کیفیت

میں سہارہ گیا اور دماغ نے کہا۔ کیا ہے عشاء میں جو
کسی اور لڑکی میں نہیں مل سکتا۔ دماغ نے سمجھایا وہ
بہت اسٹریٹ فارورڈ ہے اسے شمع محفل رہنا اچھا لگتا
ہے اسے محبتیں بدلتے رہنے کا کریز ہے اور ان میں
سے کوئی بھی عادت بھی تو تمہاری پسندیدہ نہیں۔ مگر
بس دل یہ کم بخت دل نہیں مانا اس نے کہا با وفا اور سچے
دلوں سے پیار تو ہر کوئی کر لیتا ہے عشاء جیسے بے وفا دل
سے محبت کرنے کا تھرل ہی الگ ہے جانتے ہو جیسے کسی
کہانی میں کو بنا زندہ رہنے اور نہ رہنے پر شرط رکھنا لاٹ
از سو امیزنگ اینڈ تھرلنگ فیلنگز علینہ آئی کانٹ نو
نے۔" ——— وہ خاموش ہو گیا اور میں اسے
دیکھے گئی۔

"نگینہ کو خبر ہے عشاء کے معاملے کی۔"

"نہیں سب سے پہلے تمہیں خبر کر رہا ہو علینہ تم
میری بہت اچھی دوست ہو بہت اچھی دوست۔"

میں نے سر ہلایا اور محبت کے اس نئے انداز کو
ثاقب مرتضیٰ کو بھوگتے دیکھنے لگی نگینہ جب ملتی یہی
چیختی۔

"برباد ہو جائے گا ثاقب ڈفر وہ رنگ کرنے لگا ہے
کہتا ہے ایسا کرنا عشاء کو پسند ہے وہ سارے وہی کام
کرنے لگا ہے جو اسے کبھی ناپسند تھے علینہ! عشاء
اپنے ثاقب کو برباد کر دے گی۔" وہ ہوک بھرتی اور
میرے دل میں کچھ سرسراہٹ ہونے لگتی میرا دل
چاہتا میں چیخوں اتنے زور سے کہ ہر لفظ کا گلا چھل
جائے میں اٹھوں اور اس محبت کا گریبان کھینچ کر کہوں
دیکھو یوں نہیں اچھا۔

اچھے خواب دیکھنے والی آنکھوں کے ساتھ یوں
نہیں اچھا جو دل دے کر محبت چاہیں انہیں دکھ میں
محبت بخشنا نہیں اچھا میں کہوں کاش تو بھی انسان ہوتی
تو میں تجھے دل سے بد دعا کرتی تجھے محبت ہو جائے پھر تو
لور لور پھرتی تو میں اپنے زخموں پر تجھے سسکتا دیکھ کر
ہنستی مگر میں کچھ نہیں کر سکی تھی جب بہت اچانک
مجھے ایک کارڈ ملا تھا شیراز احمد کا میں نے بے قراری سے
کارڈ کھولا تھا شستہ تحریر میں نظم لکھی تھی۔

راہ سے بھٹکیں تو منزل پر پہنچ جائیں
یہ دل اس کی محبت سے جدا ہو کر
دھڑکنا سیکھ جائے تو
نجانے کتنے جگنو مٹھیوں میں جگمگا اٹھیں
اندھیرے دور ہو جائیں

میں نے کوریئر سروس کا پیکٹ گلاس
ٹیبل پر رکھ دیا تھا پیکٹ میں امجد اسلام امجد کی "بارش
کی آواز" اور "منشار" پیک تھیں۔

"ہر برس کی سترہ جولائی کو میں تمہاری سالگرہ ضرور
مناؤں گا۔"

"چاہے میں اسے فضولیات ہی سمجھوں۔"

"نہیں تم ایسا نہیں سمجھ سکتیں کیوں کہ مجھے پتا
ہے تمہیں محبت کا اظہار اور محبت یاد رکھنا کس قدر
اہم لگتا ہے میں جانتا ہوں تمہیں ہر وقت خیال رہتا
ہے کہ کوئی ہو جو صرف تمہاری پروا کرنے والا ہو اور
تجھے اس ساری دنیا میں تمہارا ہونا اچھا لگتا ہے۔"

ہاتھ تھام کر ایک یاد میرے قریب رکی اور آنکھوں
میں نم اتر آیا دوسرا کارڈ میرے سامنے تھا لکھا تھا۔

پھر پھول کھلے خوشبو بکھری تم یاد آئے
پھر بزم تمنا دل میں سجی تم یاد آئے
سوچوں نے تراشا پیکر دل نے رنگ بھرے
آنکھ میں کوئی تصویر بنی تم یاد آئے
جب رہ گئی نیند الجھ کر مری آنکھوں میں
تب رات نے کوئی بات کہی تم یاد آئے
دھندلا سا گیا جب سایہ گزرے لمحوں کا
تنہائی دل جب حد سے بڑھی تم یاد آئے

شیراز احمد کو گئے تین برس ہو گئے تھے مگر اسے سترہ
جولائی نہیں بھولتی تھی وہ آخر کیا چاہتا تھا کہ میں اسے
کبھی نہ بھولوں پھر وہ کیوں کہتا تھا میں اسے بھی یاد نہ
رکھوں میں الجھ گئی تھی کسی سوال کا جواب نہیں تھا
میرے پاس مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں یاد رکھے
جانے پر خوشی مناؤں یا درمیان میں اتنے فاصلے ڈال کر
یاد رکھنے پر مصر اس شخص کے دل کے درد چنوں زخموں
پر مرہم رکھوں یکدم یاسیت محبت بے بسی سب نے مجھ

کو نڈھال کر ڈالا تھا جب شام گئے پاپا نے مجھے تیار ہونے کا حکم دیا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں پاپا۔" میں چاہتی تھی میں کہوں میں کہیں نہیں جا رہی پاپا لیکن میرے دماغ کے لفظوں نے میرے دل کا ساتھ نہیں دیا میں کمرے میں واپس آ گئی تھی۔

"ہر رنگ تمہارا ہے علینہ حماد تم پر سب کچھ سج جاتا ہے مگر براؤن اور مسٹرڈ کلر کا ہر بیسٹ تم پر سوٹ کرتا ہے۔" میں وارڈ روب کھولے کھڑی تھی۔ انتخاب دشوار تھا جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون۔۔" میں نے دروازہ کھولا پاپا ایک پیکٹ لیے کھڑے تھے۔

"آج طارق روڈ چلا گیا تھا تمہیں براؤن کلر بہت پسند ہے ناں میں یہ جارجٹ کا سوٹ لایا ہوں جلدی سے پہن کر آجاؤ میں نیچے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

میں نے سوٹ نکالا ہلکا سا امبرائیڈری کام تھا مگر پاپا لائے تھے اور ان کی پسند پر مجھے کبھی اختلاف نہیں ہوا تھا سو آدھے گھنٹے بعد میں پاپا کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف گامزن تھی ہماری گاڑی ایک گھنٹے بعد ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی واچ مین نے ہمارا استقبال شایان شان کیا تھا پاپا نے کار کی چابی واچ مین کے حوالے کی اور مجھے اپنے حصار میں لیے ہوٹل کے اندر داخل ہو گئے تھے اور سامنے ٹیبل پر وہ سب براجمان تھے جن کی کھوج اور طلب دل میں تھی مگر شیراز احمد ان میں نہیں تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے علینہ۔" ثاقب مرتضیٰ نے کھڑے ہو کر وش کیا نگینہ اور شنزا نے گلے مل کر تپاک سے خوشی کو میرے سنگ کیا اور موعود راشد تکلف سے میری طرف دیکھتا رہا۔

"شنزا احسام میری بہنوں جیسی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے بہن نہیں ہے۔" بہت آہستہ سے موعود راشد کے لب ہلے جملہ صرف مجھے سنایا گیا تھا سو میری آنکھوں میں حیرت در آنا بجا تھا۔

"آپ نے ایسا کیوں کہا؟" مجھے ہر بات کلیئر کر لینا اچھا لگتا تھا اور وہ ایک کائیاں تھا جھٹ سے بولا۔

"بہن ہو تمہیں آپ تو تکلف رکھ کر بات کرنی پڑتی آپ ان کی دوست ہیں تو ہمارا بھی تعلق دوستانہ ہی ہو گا ناں۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے موعود۔" بہت صاف لہجے میں میں نے کسی بھی قسم کی غلط فہمی ہونے سے بات کو روک لیا موعود راشد کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا لیکن مجھے لگا شنزا کو میرا یہ روڈ لہجہ بہت برا لگا ہے کیونکہ وہ اتنے اشتیاق اور غور سے میرا جواب سننے کی متمنی تھی کہ یہ جواب اسے واقعی برا لگا ہو گا۔

"علینہ کو مذاق کرنے کی عادت ہے موعود۔" ثاقب مرتضیٰ نے بات سنبھالی میں نے مسکرا کر اس کی بات کی حمایت کی مجھے موعود راشد کے بدلتے رنگ سے زیادہ شنزا کی ناپسندیدگی محسوس کرنے نے اپنا رویہ اپنانے پر مجبور کیا تھا بات سنبھل گئی تھی کیک ٹیبل پر سرو ہو چکا تھا جب بہت اچانک عشاء سرور بلاؤز اور اسکرٹ میں ہال میں داخل ہوئی۔

"مجھے بہت زیادہ دیر تو نہیں ہوئی ثاقب۔" ثاقب کی آنکھوں میں چمک بھر گئی اور میں نے غور سے دیکھا یہ لڑکی خوب صورت ترین تھی لیکن اس میں محبت اور وفا نہیں تھی بس یہیں سے اس کی خوبصورتی مدھم پڑ جاتی تھی یہ ایسی ہے کہ ہزاروں کے دل مستعار لے مگر کسی کا دل اس کا مسکن نہیں بن سکتا ثاقب مرتضیٰ یہ راستے کٹھن ہیں یہاں سے واپسی کا سفر ہمیشہ تھکاتا ہے ہر دل کو یہی کہتا ہے تم مت چلو اس راستے پر یہ کسی منزل کو نہیں جاتا کھو جاؤ گے تم بھٹک کر گم نام ہو گے کچھ نہیں دے گی تمہیں یہ محبت یا محبت میں کسی تیسری جہت کی تلاش۔

میں نے اسے دیکھا چاہا روک لوں مگر اس نے میری ایک نہ سنی اور ہم بہت اچھا ڈنر کر کے آ گئے۔

پھر وقت یونہی گزرنے لگا تھا کہ اچانک نگینہ مجھے بہت حیران کن خبریں دینے لگی تھی موعود راشد ایسا موعود راشد ویسا میں نے تہیہ کیا میں شنزا کو اندھیری گلی میں بے خبری کی موت کے حوالے نہیں کروں گی

مگر جب میں شنزا کے سامنے گئی تو اس کے موعود راشد پر یقین اعتماد اور محبت کے وہ ترانے سنے کہ میں دہل کر رہ گئی۔

"ہم اس ہفتے اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو رہے ہیں اگلے سنڈے کو میں نے سارے دوستوں کو اپنے گھر مدعو کیا ہے تم اور نگینہ ضرور آنا بہت پہلے سے تیاری ہم تینوں مل کر کریں گے۔" میں نے سر ہلا کر ہامی بھری اور سارا وقت لفظ اور ہمت مجتمع کرتی رہی مگر میں ناکام رہ گئی۔

وہ کیسا بھی سہی شنزا کے ساتھ مخلص ہے تو اور کیا چاہیے دل کو جھوٹی تسلی دی اور گھر چلی آئی لیکن ابھی ٹھیک طرح سے بیٹھی بھی نہیں تھی کہ ثاقب مرتضیٰ نے کال کر لیا۔

"خیریت کیسے ہو اور کہاں ہو۔" میں نے اس کے بہکتے لہجے سے گھبرا کر پوچھا اور وہ دیوانوں کی طرح خوشی سے چلا کر بولا۔

"ہم جہاں اکثر ملتے تھے اسی کیفے میں میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اک ساعت اس کی حالت پر سوچا پھر دوسرے پل یہ خیال جھٹک دیا پاپا سے پرمشن لے کر میں کیفے پہنچی وہ اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھا۔

بدبو! اس کے لفظوں سے پہلے ڈرنک کی بدبو نے دماغ الٹ دیا تھا۔

"تم نے پھر ڈرنک کی تم نے وعدہ کیا تھا ناں۔" میں نے اسے یاد دلانا چاہا اور وہ جان کر دور ہو کر بولا۔

"پلیز فار گاڈ اسے چھوڑو وہ سنو جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"کہو یہ سب سننے کے لیے ہی آئی ہوں میں۔"

"وہ عشاء تھی ناں۔۔" وہ لفظ ادھورے چھوڑ گیا اور میں نے چڑ کر کہا۔

"اچھا تو وہ جو عشاء تھی فوت ہو گئی ہے۔"

"خدانخواستہ یار کیسی باتیں کرتی ہو اسے کچھ ہوا تو میں یہاں بیٹھا ملوں گا۔" گھبرا کر اس نے جملہ کہا اور میں اور چڑ گئی۔

"پھر کیا کریں گے کہاں ملیں گے اس کے مزار کی مجاوری اختیار کریں گے آپ۔"

"علینہ تمہیں میری بات سننی ہے کہ نہیں۔" وہ جھنجلا گیا حالانکہ وہ ہم سب میں سب سے زیادہ کولڈ مائنڈڈ تھا میں نے اعصاب ڈھیلے ڈال دیے تھے اور وہ ترنگ میں کہہ رہا تھا۔ "یو امیجن عشاء بھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"عشاء اور تم سے محبت یہ کہا اس نے تم سے۔" اس کی آنکھیں پھر چمک اٹھیں۔

"ہاں اس نے کہا آج ابھی کہا مجھ سے میں اسے ہر لمحے ڈسٹرب کیے رہتا ہوں وہ صرف میرے بارے میں سوچتی ہے اس نے کہا آج کے بعد کسی اور کے بارے میں بات مت کرنا آج سے وہ صرف مجھ سے میری بات سننا چاہتی ہے وہ کہتی ہے وہ مجھے ہر پل مس کرتی ہے بس پھر میں نے بھی کہہ دیا۔" وہ رک گیا تھا ڈرنک اس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ پیدا کر رہی تھی۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا تھا پھر گھڑی کو۔

"ساڑھے دس ہو رہے ہیں علینہ تم گھر جاؤ میں کل تم سے دفتر میں ملتا ہوں۔"

"تم گھر چلے جاؤ گے۔" میں نے دانستہ اس کی حالت کے تحت پوچھا۔

"یہ سب رہنے دو میں کسی ٹیکسی سے گھر چلا جاؤں گا گاڑی یہاں سے ڈرائیور پک کر لے گا لیکن اس وقت تم جاؤ۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا اس کے اس اصرار کی وجہ میں جان چکی تھی اس لیے زیادہ بحث اختیار نہیں کی گھر آ کر کچھ دیر پاپا سے باتیں کرتی رہی پھر سونے لیٹ گئی۔ مگر لیٹتے ہی بے سبب دل چاہا تھا اچانک بیل ہوتی اور شیراز کو میں سن سکتی کتنا عجیب سا لگتا ہے ناں آپ جسے ہر روز سنیں اسے تین برس تک بالکل نہ سن سکیں ہر طرف اس کی باتیں عہد ہوں وہ سب لفظ سچے ہوں سچے لگیں مگر جھوٹ جیسے ہوں بے ساختہ آنکھوں میں نم آ گیا۔

"کیا ہوتا جو وہ ہجر یہاں سامنے رہ کر اختیار کرتا کیا ہوتا بس میں اسے جب چاہتی۔ سن سکتی جب چاہتی

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

"شیراز احمد کہاں ہو تم۔"

دل پکارا مگر آواز ذات کی فصیلوں سے ٹکرا کر اندر ہی ابھر کر رہ گئی گم ہو گئی۔

صبح آنکھ کھلی تو دکھ ہر روز کی طرح کم لگا تھا مصروفیتوں میں انسان غم اور دکھ بھول جاتا ہے مگر رات سہیلی دکھ کہنے پر آتی ہے تو دامن بھیگتے ہیں کاندھے بھیگتے ہیں اور تکیے آنسوؤں سے لب لب کرتے ہیں۔ میرے مالک نے مصروفیت سے بھرا دن بنا کر ہم دکھ کے ماروں کو کس قدر آسانی دی اور رات کو بنا کر ہمارے دل کے زخموں کے کیسے کیسے پردے نہیں رکھے کیسے پردے کہ اگر ہم خود سے خود بے حجاب ہو جائیں تو مدتوں کوئی خواہش کوئی تمنا نہ کر سکیں مگر نا امید نہ ہونے ہی نے تو زندگی کا دامن تھام رکھا ہے اور مجھے اس دامن سے اپنا حصہ ضرور ملنا ہے اپنا حصہ لینا تھا میں تیار ہو چکی تھی دفتر جانے کے لیے بالکل تیار پاپا نے ہمیشہ کی طرح دفتر ڈراپ کیا تھا میں نے اپنا نیا دفتر پاپا سے کچھ فاصلے پر بنایا تھا تمام تر سہولت پاپا کی ڈیمانڈ اور ساکھ سب میرے کام آئے تھے اور میں نے کمپیوٹر کی سوفٹ ویئر کا بزنس اسٹارٹ کیا تھا تجربہ اور محبت بھری نصیحتیں میرے ساتھ تھیں اس لیے مجھے ناکام ہونے کا خوف نہیں تھا۔

میرے ساتھ میرے پاپا تھے اور ماں باپ کا ساتھ ہونے کا احساس سب سے قیمتی احساس ہوتا ہے اب ہر لمحے ! ٹوٹ کر گرنے والے ہر لمحے میں مجھے اس کا ادراک ہو رہا تھا۔ کام اپنے انداز میں جاری تھا کہ شام گئے ثاقب مرتضیٰ واقعی میرے دفتر چلا آیا اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا میں خاموشی سے اس کی طرف متوجہ تھی تب اس نے آدھے گھنٹے بعد کہا تھا۔

"مجھے کل کی بات پر افسوس ہے علینہ یہ سب دیکھ کر تمہیں دکھ ہوا ہو گا مگر میں مجبور ہوں۔"

"کیا مجبوری ہے تمہیں۔" میں نے اسے دیکھ کر سوال داغا اور وہ منمنانے لگا۔

"پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے عشاء جب میری طرف گلاس بڑھاتی ہے تو میں رک نہیں سکتا وہ جب کہتی ہے اور پیو تو میں پیتا چلا جاتا ہوں مجھے لگتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے مجھے ڈرنک گلاس نہیں محبت بھر بھر کر دے رہی ہے اور بس میں پیے چلا جاتا ہوں مجھے پھر کچھ بھی یاد نہیں رہتا کچھ بھی یاد نہیں آتا نہ اپنا آپ نہ اپنے لفظ نہ دینا نہ کوئی اور سب غائب ہو جاتے ہیں علینہ پتا نہیں عشاء میں ایسا کیا ہے جو دل روک لیتا ہے آگے ہی نہیں بڑھنے دیتا۔" میں نے خاموشی سے اسے دیکھا وہ جو کہہ رہا تھا اس سے کہیں زیادہ جنون تھا اس کی آنکھوں میں۔

"محبت میں لوگ رسک نہیں لینا چاہتے اور محبت سراپا پیر رسک ہے یہ آپ کو یا تو بنا دیتی ہے یا مکمل بگاڑ کر رکھ دیتی ہے سب سمجھتے ہیں وہ اس محبت میں کوئی تیسرا راستہ دریافت کر سکتے ہیں اور محبت دونوں دروازوں پر پشت کر کے دروازوں کو کنڈی دے کر پہلی اور دوسری ہر جہت ہر سوچ کو جھلسا دیتی ہے ہر راستے کو کانٹوں سے بھر دیتی ہے پھر واپسی کے سفر سے کون لوٹا کون نہیں محبت کو اس سے کیا؟"

میں اسے دیکھتی رہی میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ پائی اور وہ عشاء کے قصیدے سنانے گیا۔

"محبت کرنا رسک ہے اور میں نے اپنے خلوص اور وفا پر یہ رسک لیا میں دیکھنا چاہتا ہوں کیا محبت اثر کا نام ہے یا بددعا کا میں دیکھنا چاہتا ہوں میں بنا کسی لالچ کے بھی اگر عشاء کو چاہوں تو کیا تب بھی وہ بے وفا رہے گی میں اسے محبت کر دینا چاہتا ہوں علینہ اپنی لگن جستجو اور محبت سے اتنی گہری محبت کہ پھر اس کا ہر قدم محبت ہو اس کی ہر نظر محبت ہو وہ سراپا پیر محبت ہو جائے علینہ دنیا کے لیے وہ ایک بے کار فالتو انسان ہے جس کا صرف مصرف ضرورت پورے ہو جانے تک ہے لیکن میں اسے اس حوالے سے نکال لینا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں وہ میری ذات کا حصہ بن کر رہے میں اس کی ایسی پروا کروں جیسی خود اپنی کرتا ہوں۔" میں نے سر ہلا کر اسے سراہا اور وہ اپنی بات سے کل کی بات پر لوٹ آیا۔

"میں نے تمہیں فون کیا تھا علینہ پھر بھی تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا ہم دوست سہی مگر تم لڑکی ہو ایک ڈرنکر ساتھ کوئی تمہیں دیکھ کر کتنی غلط رائے اختیار کر سکتا ہے ـــــ مجھے خود خیال رکھنا چاہیے تھا۔"

آج اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا مگر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس وقت بھی ہلکا فسم کا شغل کر چکا ہے۔

"تم، تمہیں اتنی پروا ہے میری تم یہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" میں نے جذباتی دیکھ کر اسے مزید جذباتی کرنا چاہا مگر وہ واک آؤٹ کر گیا۔

"تمہیں ابھی بتایا یہ سب عشاء کو کتنا پسند ہے اور تم پھر بھی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔"

میں نے اسے تولا میں کہنا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے عشاء کو نہ سہی میری دوستی چھوڑ دو۔" مگر میں کہہ نہیں سکی میں جانتی تھی۔ وہ میری طرح کتنا تنہا ہے تنہا اکیلا جزیرہ جہاں کی مٹی ہمیشہ کسی کے قدموں کا انتظار جھیلتی ہے اور پھر پہلے پڑنے والے قدموں کو اپنا کہہ کر خاک ہو جاتی مگر ان پہلے قدموں کو کیا خبر کون خبر دے کہ یہاں کون کون خاک ہوا؟

"تم ـ عشاء سے تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔" ثاقب مرتضیٰ نے یوں دیکھا جیسے یہ کوئی اچنبھے کی بات تھی۔

"کیا ہوا میں نے کوئی غلط بات کر دی کیا تم اس سے صرف محبت کرنا چاہتے ہو۔"

"نہیں مگر وہ صرف محبت رکھنا چاہتی ہے وہ کہتی ہے اسے پابندیاں روک ٹوک کسی ایک کا ہو کر رہنے کا شوق نہیں۔"

"کیا ہو سکتا تھا پھر۔ کرتے رہو محبت اور خاک ہو جانا ایک دن۔" میں چڑ گئی تھی سو ہر احتیاط بالائے طاق رکھ کر بولی اور وہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا۔

"علینہ کاش میں تمہیں بتا سکتا آپ کسی سے محبت کرنے لگیں تو دل کتنے مدھر انداز میں دھڑکتا ہے تمنا کرنا کتنا اچھا لگتا ہے خواب دیکھنا کتنا خوب لگتا ہے کسی سے محبت کرو تو اگر جواب میں رد کر دیے جاؤ تب بھی اس کی زندگی کے کسی ایک پل میں رہنا کتنا غضب احساس دیتا ہے پوری زندگی؟ یہاں کون کم بخت ہے جو پوری زندگی یا پوری محبت چاہتا ہے بس سانس بھر جگہ ایک پل ایک لمحہ کی یاد بھر اوقات بس یہی چاہیے ہوتا ہے ہم فقیروں کو ہم غلاموں کو۔"

"اے محبت! کیسا شخص تو نے کس حال پر لا پٹخا تھا یہ شخص جب بولتا تھا تو اس کے لہجے میں یقین اور اہمیت ہوتی تھی صرف اپنے ہونے کا فخر مگر آج یہ کیا ہو گیا تھا فقیر اور غلاموں کی صف میں آن کھڑا ہوا تھا اور ـــــ اسے عاشقی کا دعویٰ بھی کب تھا۔

عاشقی کا دعویٰ کیا دوستی سے کیا مطلب
میں تیرے فقیروں میں میں تیرے غلاموں میں

محبت ہانک رہی تھی وہ جیسے اور جس راستے پر ہمیں ہانکنا چاہتی تھی اس نے ہم سے کچھ نہیں چھینا تھا بس اپنا آپ دے دیا تھا اور ہماری ذات قید کر لی تھی ہمیں سائل کر دیا تھا سائل خالی دامن خالی ہاتھ رکھ کر سوغات کرنے والا سائل میں نے نظریں جھکا لیں تھیں وہ اٹھ کر پھر آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا اور میں اپنے کام میں لگ گئی تھی۔

بہت دنوں بعد شہزا کا فون آیا وہ نئے گھر کی خوشی میں ہمیں ریسیپشن دے رہی تھی حسب وعدہ میں اور نگینہ دو دن پہلے سے اس کے گھر پہنچ گئے تھے اور تمام تر تیاریوں میں اس کی باتوں کا مرکز موعود راشد کے سوا کوئی نہیں تھا۔

"بہت خوش قسمت ہے موعود۔" نگینہ سے رہا نہ گیا اور وہ میری تنبیہی نظروں کے باوجود بول پڑی اور وہ ـــــ جذب سے بولی۔

"نگینہ تو نے یہ کیوں نہ کہا موعود کو پا کر میں نے خوشی کو مجسم پا لیا ہے۔" میں نے بات سنبھالی۔

"جو بات پہلے سے علم میں ہو اسے دوبارہ کہنا کتنا فضول لگتا ہے اور اپنی نگینہ اسے تو دھانسو قسم کی رائٹر بننے کا خبط ہے ناں۔" وہ ہنسنے لگی میں نے گہری سانس لی پھر ہم کھانا کھا رہے تھے جب بہت اچانک موعود کی چیخ نکل گئی اور پھر ہم سب بھی چیخ رہے تھے ہال کمرے

میں ایک سانپ پھن کاڑھے کھڑا تھا۔

"موعود چیخ کیا رہے ہیں ماریئے نا۔ آپ تو کہتے تھے آپ نے بہت شکار کھیلا ہے یہ تو صرف ایک سانپ ہے۔"

"پاگل ہو گئی ہے یہ عورت مجھے کہہ رہی ہے سانپ ماردوں اوہنہ غفور غفور۔" وہ آوازیں دینے لگا ملازم نے صورت حال باہر سے ہی جانچ لی تھی وہ گاؤں کا رہنے والا تھا اس لیے سرعت سے اس سچویشن پر قابو پا گیا تھا مگر وہ سانپ ہاتھ میں لیے ہنسے جا رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ کیوں ہنس رہے ہو؟" ثاقب قریب آ گیا اور موعود راشد کے قہقہے بھی آزاد ہو گئے۔

"ربڑ کا سانپ یہ ربڑ کا سانپ تھا اور ہم سب کیسے چیخ رہے تھے۔" میں نے سب سے پہلے شزا کو دیکھا یہ اس کے پاپا کا جاپان سے لایا ہوا ایبنوری اسنیک تھا تو کیا یہ سب میں نے مڑ کر دیکھا شزا بے ہوش ہو چکی تھی ثاقب نے گھبرا کر ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا اور نگینہ تیمور اور میں اسے ہوش میں لانے کے جتن کر رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا ہے انہیں صرف کسی بات سے بہت زیادہ ٹینشن اور ہراساں ہو کر بے ہوش ہو گئی ہیں کچھ دیر میں ہوش میں آ جائیں گی۔"

میں نے نگینہ کو دیکھا اور نگینہ نے شزا کو اور ایک گھنٹے بعد ہم ایک قطعی بے جان وجود سے سر ٹکرا رہے تھے۔

"شاید خوف سے سکتہ ہو گیا ہے اسے۔"

"نہیں یہ مر چکی ہے یہ شزا حسام ہمارے گروپ کی سب سے بولڈ اور کھل کھلانے والی لڑکی مر چکی ہے۔"

"علینہ پاگل پن کی باتیں مت کرو یہ ٹھیک ہو جائے گی۔" ثاقب مرتضیٰ نے ہراساں ہو کر اسے دیکھا اور میں خاموش رہی انکل حسام اور آنٹی روبین آ چکے تھے۔

"علینہ کیا ہوا ہے ہماری بچی کو یہ تو بہت بہادر بچی تھی اس نے تو صرف بارہ برس کی عمر میں گھر میں ڈاکا ڈالنے والے مجرموں سے ٹکر لے لی تھی اس نے پولیس کو انفارم کر دیا تھا اس نے میرے ریوالور سے مجرموں کو للکارا تھا یہ شدید زخمی ہو گئی تھی مگر وہ گولیوں کے زخموں پر بھی یہ نہیں چیخی تھی علینہ بتاؤ کیا ہوا ہے میری بچی کو۔"

"پتا نہیں شاید یہ بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔" میں نے اندر جھانکا مجھے اپنی آواز اور آنکھیں چور لگنے لگیں جھوٹ بولنا کتنا دشوار ہوتا ہے میں کیسے بتاتی انہیں کہ ان کی بہادر اور جان پر کھیل جانے والی بیٹی صرف ایک نقلی ربڑ کے سانپ سے کیسے مر گئی۔

میں انہیں یہ کہہ بھی کیسے سکتی تھی کہ شزا موعود جو کبھی زندہ بھی مر گئی تھی اپنے اندر بہت خاموشی سے میں کیسے بتاتی کہ ہم لڑکیاں ہمیشہ بغیر بتائے اسی طرح مر جایا کرتی ہیں اب کس کس کا ماتم کریں کیسے روئیں۔

"شزا بیٹا مجھے دیکھو میں تمہارا پاپا۔" انکل حسام اس کے بے جان ہاتھوں میں ہاتھ رکھتے ہوئے اپنائیت سے بولے مگر وہ بے حس بیٹھی رہی حسام انکل نے بڑے سے بڑے سائیکاٹرسٹ کو دکھایا مگر ہر کسی نے جواب یہی دیا۔

"یہ صدمائی خاموشی ہے خود سے ٹوٹے تو ٹوٹے کوئی دوا اس لڑکی کو واپس ہوش و خرد میں نہیں لا سکتی۔" ثاقب مرتضیٰ جلے پیر کی بلی بن گیا تھا اتنا کہ اسے عشاء کا خیال بھی بھول گیا تھا اور مجھے شیراز نے یاد آنا چھوڑ دیا تھا۔

ہم سب شزا کے ساتھ لگے رہتے تھے پھر کچھ دن گزرے تھے کہ بہت اچانک موعود راشد نے خاموشی سے شزا کو طلاق بھیج دی۔

"جو لڑکی اپنا خیال نہ رکھ سکے وہ مجھے کب توجہ دے سکتی ہے۔" میں نے نگینہ نے ثاقب مرتضیٰ نے اس دن جی کھول کر محبت کو برا بھلا کہا شزا کا دل لگا کر بنائے جانے والا گھر اس دن ویران ہو گیا تھا موعود راشد اپنا سامان گاڑی میں لوڈ کر رہا تھا شزا گارڈن کے درخت سے ٹیک لگائے اسے خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ملا محبت سے کیا ملا محبت سے۔" میرا دل کرلایا اور اس کی آنکھوں میں تھکے ہوئے آنسوؤں کی قطار بن گئی انسان محبت کو خواب سمجھتا ہے اور محبت حقیقت میں ملتی ہے خواب اور حقیقت کا ٹکراؤ ہو تو وجود کے ایسے ہی پرخچے اڑتے ہیں ایسے ہی دل ٹوٹا کرتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر شزا کو سینے سے لگا لیا۔

"تم کہتی تھیں تمہارے چہرے میں آنکھیں ہی تو اچھی ہیں شزا کیا اچھی آنکھوں کو اپنے غم میں رلانا ٹھیک ہے۔" شزا کا ہچکیاں لیتا وجود تھم گیا میری آواز گلوگیر ہو گئی تھی نگینہ اور ثاقب ہمیں اس کیفیت سے نکالنے کے لیے لطیفے سنا رہے تھے پرانے قصے چھیڑ رہے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا ان قصوں کا سب سے زندہ کردار کہاں تھا ثاقب کی نظر بہت تیز تھی مجھے خبر تھی مگر اس قدر ہو گی مجھے علم نہیں تھا وہ مجھے چیز اپ کر رہا تھا اور ہم سب شزا کو اس غم کے سہنے کا حوصلہ بخش رہے تھے۔

شزا ہماری کمپنی سے بہت جلد سنبھل گئی تھی اسے اب خواب اور حقیقت محبت اور آئیڈیل میں فرق کرنا آ گیا تھا وہ سنبھل کر اب اپنے پاپا کا دفتر جوائن کر چکی تھی اب اس کا اکثر وقت کاپی رائٹ میں گزرتا تھا اور ہم تینوں کو یقین تھا جملے بنانے میں اسے جو مہارت حاصل ہے وہ کم نہیں ہے وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں لگی رہتی تھی آہستہ آہستہ اس نے اب بولنا شروع کر دیا تھا مگر اندر چھا جانے والی خاموشی اندر کی آواز لفظوں میں سمٹ آئی تھی اسکرین پر اس کے جملے بے تکان بولتے تھے یہاں تک کہ بہترین کاپی رائٹ کے ایوارڈ کے لیے اسے نامی نیٹ کیا گیا اس دن اس کی خوشی دیدنی تھی تب پہلی بار ہمیں لگا ہم نے اپنی شزا کو پہلے جیسا ہو کر پا لیا ہے ہم بے حد خوش تھے۔ نگینہ کی شادی کا معاملہ آن پڑا لڑکا امریکن تھا دور کے رشتہ داروں میں سے تھا سب مطمئن تھے ہم سب نے شادی کی تیاریوں میں شیراز کو بہت مس کیا پھر شادی جیسے جیسے قریب آنے لگی ثاقب مرتضیٰ بھی غائب ہو گیا میں اس کی دوست تھی سو میں نے اسے ہر جگہ ٹریس کرنے کی کوشش کی تب ایک دوست سے اس کے فلیٹ کا معلوم ہوا جو ہم میں سے کسی کے علم میں نہیں تھا۔

"یہاں میں عشاء سے ملتا تھا۔" مجھے دیکھ کر دھوئیں کے غبار سے سر نکال کر اس نے یاسیت سے کہا اور وہ نہ کہتا تب بھی میں جان جاتی۔

"عشاء نے تمہیں کک ڈاؤن کر دیا۔" لفظ تلخ تھے مگر مجھے اس کے دماغ کی اور ہالنگ کے لیے ایسا کرنا تھا وہ ناراض نہیں ہوا تھا بے زاری سے تکیے پر سر ڈال کر لیٹ گیا تھا۔

"کہہ دو جو کہنا چاہتی ہو واقعی میں غلط تھا میری ساری محبت رائیگاں گئی پرخلوص محبت کے باوجود میں اس کے دل میں دھڑکن نہیں بن سکا میں اس کا کچھ بھی نہیں تھا علینہ اور سب کچھ ہو جانے کا زعم کیا کرتا تھا اس نے مجھے ٹھکراتے ہوئے ایک لمحہ نہیں لگایا اس نے کہا وہ اب مجھ سے کبھی ملنا نہیں چاہتی وہ مجھے دیکھنا نہیں چاہتی میری آواز نہیں سنا چاہتی۔

علینہ محبت اگر ایک لمحہ ہے تو میں اس لمحے میں سب سے زیادہ رائیگاں شخص ہوں میں ہار گیا ہوں آج سب کچھ علینہ سب کچھ۔" وہ ساڑھے چھ فٹ کا مضبوط بندہ رونے لگا تھا جاگنے ڈرنک کرنے اور اسموکنگ نے اس کی ظاہری ہی نہیں اندرونی حالت بھی دگرگوں کر دی تھی۔

"اٹھو اور میرے ساتھ چلو انکل آنٹی کے نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے تم بالکل آزاد ہو تم لاوارث نہیں ہو ثاقب مرتضیٰ سو تمہاری وارث کے طور پر میں پورے استحقاق سے حکم دیتی ہوں تم اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔"

اس نے رد و کد نہیں کی تھی درحقیقت وہ خود کسی کے کاندھے سے سر لگا کر رونا چاہتا تھا میں اسے گھر لے آئی تھی پاپا نے بھی اس کی گوشمالی کی تھی اسے معافی مانگنے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ملی تھی اور میں

نے نگینہ کی بانہوں میں اسے شنزا سے حسب عادت شوخی کرتے دیکھا تو سوچا۔

دو محبت کے مارے ٹھکرائے ہوئے دل ہی ایک دوسرے کا مرہم بن سکتے ہیں۔ انکل آنٹی پہلے حادثے سے سہم گئے تھے مگر ثاقب مرتضیٰ ان کے سامنے کا بچہ تھا اس کے والدین سے ان کے اچھے تعلق رہ چکے تھے اس لیے میری اور نگینہ کی اس کوشش کو جب پاپا نے سرعام کہا تو اعتراض نہیں ہوا اندرونی طور پر بات طے تھی صرف شنزا بے خبر تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ وہ جب یہ خبر سنے گی تو اس کا ردعمل کیا ہوگا کہ اچانک بہت اچانک مجھے لگا زندگی نے مجھ سے کوئی جھوٹ بولا ہے کوئی پیارا سا جھوٹ جس کی حقیقت کھلنے پر ہونٹ مسکرانے لگیں۔

"کیسی ہو تم۔" میں سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھے گئی پورے چار برس بعد وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔

"علینہ ویئر آر یو۔" اس نے حسب عادت چٹکی بجائی اور میں واپس اپنے اندر لوٹ آئی۔

"تم شیراز کیا تم واقعی آگئے ہو۔"

"آئے نہیں لائے گئے ہیں۔" شوخ سی آواز میں نے شیراز کی پشت کی طرف دیکھا پچیس بائیس سال کا ایک نوجوان کھڑا تھا سوال آنکھوں میں در آیا تھا تبھی شیراز نے کہا۔

"یہ میرا بہت اچھا دوست علی ارسلان میں نے یہ چار سال اس کے ساتھ ہی گزارے تم مجھے اس کا روم میٹ بھی کہہ سکتی ہو۔"

"چار سال کیا کیا تم نے......" میں سیڑھیوں پر آن بیٹھی تھی مگر شیراز بول بھی نہیں پایا تھا کہ علی ارسلان نے انٹری دی تھی۔

"چار سال کے لیے یہ خدمت خلق کر رہے تھے دراصل انہیں اس بندہ ناچیز کے خط نے ہلا کر رکھ دیا تھا میں نے صرف ان سے کہا دولت ہوتے ہوئے یہ کہنا چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لیے بہت زیادہ محنت کرنا کتنا اچھا لگتا ہے۔ صرف کسی مووی افسانے یا ناول کا جملہ سمجھ کر پڑھنا اور سراہنا اچھا لگتا ہے مگر زندگی کو گزارنا بہت ٹف کام ہے گزارو ایک دن وہ دن جو میں گزارتا ہوں تو شاید خبر ہو ہمارے گھروں تک زندگی آتے آتے کیوں ہانپ جاتی ہے۔ بس بھائی کو یہ جملہ برا لگ گیا ڈی جے کی جاب اور آرام چھوڑ کر میرے چھوٹے سے شہر آگئے اور اب تک وہیں تھے۔ انکل نے سیاست سے ریٹائر دیا تب میں انہیں سمجھا سکا اور کہہ سکا کہ اللہ کے بندے خلق سے زیادہ والدین کا بھی کچھ حق ہوتا ہے تو آنے کو تیار ہوئے۔"

"مگر آپ کو پتا ہے یہاں آنے سے پہلے یہ مجھ سے زبردست جھگڑے بھی تھے۔"

"کیوں جھگڑے تھے؟" میں نے سوال کیا اور شیراز مسکرانے لگا۔

"کچھ نہیں وہ بس ویسے ہی۔" اس نے بات چھپا لینے کی کوشش کی مگر جب وہ افشا پر مصر تھا تو کون روک سکتا تھا سو وہ کہہ رہا تھا۔

"دراصل بھائی آپ کے لیے جو گفٹ ہر سولہ جولائی کو خریدتے تھے پیک کرتے تھے میں ویسا ہی پیک ان کی الماری میں رکھ کر ان کا لایا گفٹ آپ کو جو گفٹ کر دیتا تھا میرا خیال تھا اتنے اچھے بندے کا اگر کہیں انتظار ہو رہا ہے تو انتظار ہوتے رہنا چاہیے اس شخص کے لیے تو قیامت تک انتظار جھیلا جا سکتا ہے۔ مس علینہ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ اتنا بڑا انسان آپ کو ملا ہے یہ بڑا آدمی ضرور ہے مگر میں اسے زیادہ مارجن بڑے انسان ہونے کا دوں گا۔" سارے مسئلے سلجھ گئے تھے تشکر سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے کہ اچانک شور و غوغا سن کر میں اوپر بھاگی شیراز میرے پیچھے تھے کمرہ کھولا تو نگینہ شنزا اور ثاقب کے درمیان کھڑی انہیں جھگڑنے سے روک رہی تھی۔

"علینہ اس کی ہمت کیسے ہوئی مجھے پرپوز کرنے کی۔"

"شنزا اور ثاقب ہاہاہا۔" شیراز ہنسا دل نے اس کی سنولائی ہوئی رنگت دل میں بھنور ڈال رہی تھی مگر وہ دونوں آدھا آدھا مجھے کھینچ رہے تھے۔

"یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے تم کہتی تھیں شنزا بہت نائس اور ویل مینرڈ لڑکی ہے مگر ادھر دیکھو اس نے کتنی زور سے کاٹا ہے۔" ثاقب مرتضیٰ نے کف اٹھایا۔ سرخ و سفید رنگت پر خون چھلک آیا تھا۔

"جنگلی بلی ہے تمہاری دوست مجھے نہیں کرنی اس سے شادی۔" وہ بھنا گیا تھا اور شنزا نے پھر سے اس کا کالر کھینچ لیا تھا۔

"سن لو مجھے بھی تم سے شادی نہیں کرنی۔" مدتوں بعد اس کے چہرے پر شوخی اور ہونٹوں پر مسکان آئی تھی تب بہت اچانک علی ارسلان نے آفر کی تھی۔

"میں کیسا رہوں گا مس شنزا۔"

"اوئے تمہاری یہ مجال۔" ثاقب نے ہنکارا بھرا اور میں نے شیراز کی طرف اشارہ کیا۔

"چار سال بعد آیا ہے شیراز مگر تم میں کوئی دھماکہ ہی نہیں ہوا۔"

"ہم دو دن سے اس سے اچھی طرح مل رہے ہیں اس لیے ویسے ہر بار دیکھ کر چیخنے سے لوگ ہی غلط سمجھیں گے کہ خدانخواستہ تمہارے ہونے والے میاں اتنے بھیانک ہیں کہ یار دوست چیخیں مارا کرتے ہیں کیوں پھر اختیار کریں تپاک سے ملنے کا یہ انداز۔"

"تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" میں نے ثاقب مرتضیٰ کی زبردست چٹکی کاٹی تھی اور وہ دل و جان سے سی سی کر رہا تھا۔

"دونوں جنگلی بلیاں ہیں نگینہ تعلیم نے تمہارا کچھ بگاڑا ہے یا تم بھی ان کی طرح کوری ہو۔" نگینہ ہنسے گئی کچھ بولی نہیں اور یوں شادی کا دن آن پہنچا اور شنزا نے فارغ ہونے پر باہم بیٹھ کر کہا۔

"محبت کے بعد محبت کرنا یوں نہیں لگتا یہ دل کے ساتھ مذاق ہے۔"

شیراز نے شنزا کے کاندھے پر ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"تم ایسا مت سوچو تم یہ سوچو ہم جو خلوص سے محبت کرتے ہیں وہ رائیگاں نہیں جاتی بس سامنے والے کا دل راندہ محبت ہوتا ہے غلطی سامنے والے میں ہے پھر کسی کی غلطی پر خود محبت کرنا چھوڑ دینا کہاں کا انصاف۔

سنو ایک بہت پرانی سی نظم سناؤں"

ہمیشہ کی طرح وہ مرکز نگاہ بن گیا اور سنانے لگا

محبت موسم نہیں ہے\
کہ\
اپنی مدت پوری کرے\
اور رخصت ہو جائے\
محبت ساون نہیں ہے\
ٹوٹ کر برسے\
اور تھم جائے\
محبت آگ نہیں\
سلگے بھڑکے\
اور بجھ جائے\
محبت آفتاب نہیں\
ابھرے چمکے\
اور ڈھل جائے\
محبت تو چاند کی مانند ہے\
جو بڑھتا ہے گھٹتا ہے\
نکلتا ہے چھپتا ہے\
مگر پھر بھی فنا نہیں ہوتا

میں شیراز کے مسمرائز لہجے میں گم تھی جب میری موبائل پر بیپ ہوئی تھی میں ان سے ہٹ کر ایک دور افتادہ گوشے میں آن رکی تھی۔

"ہیلو عشاء بول رہی ہوں تم ثاقب سے میری بات کیوں نہیں کروا رہیں یہ نمبر تو ثاقب کا ہے تم کون ہو۔"

آواز میں پگھل جانے کی حدت تھی مٹ جانے کی تمنا مگر محبت نے اسے چھونے میں کتنی دیر کر دی تھی۔

"تم خاموش کیوں ہو میری ثاقب سے بات کرواؤ۔" وہ چیخ رہی تھی تب میں نے سرد لہجے کو اپنایا۔

"ثاقب مرتضیٰ تمہیں بھول چکا ہے اس کی شادی ہو رہی ہے اسی مہینے اگر تم آنا چاہو تو آسکتی ہو۔"

"ثاقب اور شادی نہیں وہ صرف میرا ہے صرف میرا میرا دل صرف اس کا گھر ہے اس نے کہا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اس ساری دنیا میں ایک اکیلے مجھ سے۔" وہ دیوانوں کی طرح چیخ رہی تھی تب ہی مجھے اپنی پشت پر آہٹ محسوس ہوئی۔ ثاقب مرتضیٰ کی مکس مینس، بہت طاقتور تھی میں نے گھبرا کر موبائل آف کر دیا تھا۔ مگر وہ مجھ سے اپنا موبائل لے چکا تھا میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے شہزا ایک بار پھر ڈوب رہی تھی اور میں اسے بچا نہیں سکتی تھی مگر وہ بنا جھجک کے میرے سامنے اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ہیلو عشاء میں ثاقب، نہیں کچھ بھی مت بولو کیونکہ مجھے یقین تھا میری محبت جلدی یا بدیر تمہارے دل کا دروازہ ضرور کھٹکھٹائے گی تمہیں نہیں پتا تھا لیکن مجھے پتا تھا جس محبت میں لالچ ریٹرن کی خواہش نہ ہو وہ بھی آپ کے دل کا دامن نہیں چھوڑتی آپ کے دل کو کسک ضرور دیتی ہے کہ ہاں اس ساری دنیا میں ایک تھا جس نے آپ کو واقعی دل سے چاہا اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے یہ دن خود دیکھا میں مرا نہیں عشاء اک نظم سناؤں۔

وہ گنگنانے لگا تھا۔

اب جو بھٹکتے پھرتے ہو
مری جان!
تو پہلے ہی سوچا ہوتا
کہ
مرے دل سے نکلو گے تم
تو کہاں جاؤ گے

عشاء

سوری میں نے کسی اور سے محبت کا عہد باندھ لیا ہے ہم دونوں کو محبت نے تاراج کیا ہے مگر عشاء اب شہزا اور مجھ پر یہی محبت آباد کرنے کا ہنر آزمانا چاہتی ہے تو میں کیسے دروازہ بند کر لوں سوری عشاء تم نے موم ہونے میں بہت دیر کر دی۔"

"ثاقب ثاقب۔" چیخیں میرے دل میں گونجنے لگیں ہجر کرلانے لگا اور وہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا۔

"ایک لمحہ محبت ایک لمحہ تھی اور وہ اس کا دل چھو آئی علینہ مجھے اس محبت سے اب کوئی شکوہ نہیں کوئی بھی شکوہ نہیں" وہ ہنستے ہنستے خاموش ہو چکا تھا مگر اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"ہم نے محبت کو خود راستہ دکھانے کی کوشش میں اپنے راستے گنوائے ہم نے محبت پر بے اعتباری سے قہقہے لگائے تو محبت نے اپنا آپ منوانے کے لیے ہمیں کیسے کیسے نہیں آزمایا کیسے کیسے کانٹوں میں نہیں گھسیٹا مگر اب یہ محبت مہربان تھی محبت کی تیسری کوئی جہت نہیں تھی یہ ہاتھ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

محبت یا تو ملتی ہے یا محبت نہیں ملتی مگر ہم دلوں کو یہ محبت مل گئی تھی اور یہ اس کا احسان تھا کہ اس نے ہماری بے اعتباری پر ہمیں راندہ درگاہ نہیں کیا تھا ہمیں یقین کے راستے پر تھامے تھامے چلی تھی ہزار دکھوں ہزار تھکن کے باوجود اس نے ہمارے دلوں سے رخصت نہیں لی تھی ہمیں وقت اور حالات کی بھٹی میں جلا کر کندن کیا تھا محبت نے ہمیں آزما آزما کر دینے میں مل جانے کی خوشی محسوس کرنے کی صلاحیت سوغات کر دی تھی محبت واقعی محبت کبھی کچھ نہیں لیتی یہ صرف ہم ہیں جو نام روپے اور دنیا پر محبت کو خود سے جدا کر کے محبت کی پتھر دلی پر قصے گھڑتے ہیں محبت دین ہی دین ہے اور اس نے ہمیں بہت دیا تھا کہ ساری عمر کو پورا تھا۔

میں ثاقب کے ساتھ واپس اپنی منزل میں آ چکی تھی۔

"اینی تھنگ رونگ" شہزا نے نکڑا لگایا اور ثاقب ہنسا۔

"نتھنگ رونگ یار" ہم سب اس لطیفے کو سوچ کر پھر سے ہنسنے لگے تھے اور نبت مسکان ہی تو ہے۔

✈ ✈

سعدیہ عزیز آفریدی

پیار کی دُھن

اس وقت چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ ایسی کہ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ محکمہ موسمیات کا کہنا تھا۔ درجہ حرارت ۴۶ سے بھی اوپر جائے گا اور نبیل احمد نے سن رکھا تھا ۴۰ کے بعد انسانی دماغ کے خلیے پگھلنے لگتے ہیں اور انسان کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن سوچنے کا مقام یہ تھا کہ سائنس کے اتنے دل ہلا دینے والے انکشاف کے باوجود وہ اس قدر گرم دن میں ٹھنڈا جھونکا بنا اس گیٹ پر دستک کیوں دے رہا تھا جو کرپشن کے دور میں ایمانداری کے در کی طرح بند پڑا تھا۔ پتا نہیں یہ اسے اچانک سوجھی کیا تھی جو ہوٹل کے آرام دہ کمرے 'اے سی کی ٹھنڈک سے نکل کر یہاں چلا آیا تھا۔ پہلے نہیں سوچا تھا لیکن اب اسے اپنی حماقت کا صدق دل سے اعتراف تھا سو دل میں سوچ کر لمحہ بھر کو اس کا اٹھا ہاتھ ٹھہر گیا۔

"ٹیلی فون پر ہیلو ہائے ٹھیک رہے گی آخر کو صرف خالہ تو ہیں۔"

اور پھر زمانہ آج کل یہی تو دستور بھی تھا۔ اپنے ماں جائے کچھ نہ سمجھیں تو یہ تو ماں کی بہن کا گھر تھا اتنا دور پرے کا رشتہ۔

"چل بھائی نبیل! اگر خیریت مطلوب ہے۔"

خود کو سنجیدگی سے نکل بھاگنے کے لئے اکساتے ہوئے وہ مڑا پھر پہلا قدم بھی اٹھا لیا مگر دوسرے قدم پر ایک مترنم آواز سن کر تھم گیا۔

"جی فرمایئے۔ آپ کو کس سے ملنا تھا۔"

"جی آپ سے۔"

"کیا مطلب؟ آپ حواسوں میں تو ہیں۔ میں کیا جانوں آپ کون ہیں۔"

"یہی تو میں کہتا ہوں' جان لینا واقعی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کاش مجھے بھی اس گھر کا پتا نہ رٹایا گیا ہوتا تو اس وقت مزے کرتا۔"

"مزے آپ اس وقت بھی کر سکتے ہیں۔ آخر کو اہل لاہور اتنے بھی بدتہذیب نہیں کہ مہمانوں کی اچھل کود نہ برداشت کر سکیں۔"

"یعنی آپ نے یہ کیسے جانا کہ میں اہل لاہور کی گنتی میں فاضل ہوں۔"

"آپ کے اسٹائل سے۔ کراچی کی تو رہی الگ ہوتی ہے' ویسے آجایئے اندر' اماں گھر پر ہی ہیں۔"

"مگر آپ مجھے کس کی اماں سے ملانا چاہتی ہیں؟۔"

وہ شکر کرتا اندر داخل ہوا تو رشا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"توبہ ہے نبیل بھائی! آپ تو بہت ہی ہونق ہیں۔"

"یہ تو ہے لیکن تم نے میرا نام کیسے جانا۔"

"ایسے جانا کہ آپ اس گھر کے لئے اجنبی نہیں۔ شرارت کی بات اور تھی ورنہ پہچان تو میں پہلی نظر میں گئی تھی۔ اماں کو بہت دن سے انتظار تھا۔ خالہ جان نے آپ کی روانگی کے فوراً بعد فون جو کر دیا تھا کہ "بہن میرا بیٹا نازوں پلا ہے کراچی سے پرواز کر گیا ہے۔ لاہور ایرپورٹ پر کریش لینڈنگ سے پہلے وصول کر لیں۔"

"کیا مطلب؟ میں انسان ہوں یا؟۔" اس نے گھورا تو وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"آپ بالکل درست سمجھے۔ آپ "یا" زیادہ لگتے ہیں' ویسے اس صیغہ میں کیا کیا شامل ہے۔"

"فضول تنگ مت کرو' تھکا ہوا ہوں' خالہ جان کہاں ہیں۔"

"امی کچن میں ہیں۔ آپ جناب کے لئے دعوت شیراز کی تیاریوں میں مگن۔"

"او کے۔ بہت شکریہ اس کام کی بات کا۔"

"کیا مطلب۔ اب تک میں نے بے کام کی باتیں کی ہیں کیا؟۔"

نبیل نے کچھ کہنے کے بجائے تیز نظروں سے گھورا تو وہ سہم گئی۔

"فار گاڈ سیک نبیل بھائی! اس طرح تو نہ گھوریں۔ آپ کو پتا ہے میرا دل بہت کمزور ہے۔"

"حالانکہ زبان بہت تیز ہے۔"

”اسی لئے تو میں صرف بکواس بہت اچھی کرتی ہوں۔“

”بہت زیادہ خوش فہمی ہے تمہیں۔“

وہ ہاتھ میں پکڑا رسالہ جو کچھ دیر پہلے تک گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے سر پر سائے کی طرح رکھے کھڑا تھا جھلاتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا اور یہ اس کے لئے کچھ اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ میٹرک تک ہر سال چھٹیاں منانے ماما' پاپا کے ساتھ آیا ہی کرتا تھا پھر یکدم اس کا دل اچانک لاہور سے بھر گیا تعلیم اور امارت کا زعم اتنا ہو گیا کہ ماما' پاپا کے لاہور کے قصے سن کر بھی اس کا من نہیں ہوتا۔

”آئی ڈونٹ کیئر۔“ ہر بات کا یہی جواب تھا لیکن اس وقت بس خود پر سے بات ہٹانے کو چلا آیا تھا جانتا جو تھا یہ کیسے ممکن ہے وہ یہاں کے لئے روانہ ہو اور ماما اپنی لاڈلی بہن کو اس کی روانگی سے آگاہی نہ دیں۔ بظاہر تو اسے رشتوں کے ٹوٹنے جڑنے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا مگر وضعداری بھی کوئی چیز تھی سو سوچیں پس پشت ڈال کر وہ کھنکھارا۔

”السلام علیکم خالہ جان۔“

”وعلیکم السلام بھانجے جی!“ خالہ نے صرف پلٹ کر دیکھا تھا مگر یہ جملہ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہی شرارت کی پڑیا کھڑی تھی۔

”تم؟ تمہیں چین نہیں بے چین روح۔“

اس نے ایسے ڈانٹا جیسے بڑی چھنتی رہی ہو اور خالہ منہ کھولے بھانجے کی کارکردگی دیکھے گئیں پھر اسے ہی کچھ حماقت کا احساس ہوا تو بڑھ کر خالہ کے گلے سے جا لگا۔ سوچا کیا بولنا چاہیے اور اس کی سوچ وہ کیچ کر کے خود سے ہی پکاری۔

”پیاری خالہ جان! آپ کی جدائی میں صرف میں راتوں کو ہی نہیں سویا دن میں بھی خراٹے لیے ہیں۔ آہ خالہ جان! آپ کو کیا پتہ آپ کے بغیر میں کس قدر پیٹو ہو گیا تھا۔ صبح کا ناشتہ چار بجے سات بجے اٹھ کر پھر ناشتہ اور۔“

”رشا! کیا ہے؟ بھائی کو کیوں تنگ کر رہی ہو۔؟“

”اس لئے کہ میں واقعی انہیں بھائی ہی سمجھتی ہوں اور بھائیوں کو تنگ نہ کیا جائے تو فائدہ اس نعمت کا۔“

وہ ترت بولی اور وہ دل ہی دل میں اور جز بز ہو گیا۔ کسی خوبرو' حسین نوجوان کو کوئی کھڑے گھاٹ بھائی کہہ دے تو اس سے بڑھ کر کیا توہین ہو گی۔ لہٰذا اس کی پہلی ہی فرصت میں وہ اس کے ناپسندیدہ افراد کی لسٹ میں آ گئی اور وہ اس بات سے بے خبر اس کے اردگرد پھیرے لیتی رہی بولتے رہنے کا تو اسے جنون تھا۔

”خدا کا واسطہ ہے۔ چپ ہو جاؤ۔“

وہ ٹیبل پر کھانا کھاتے کھاتے یوں چلایا جیسے ہمیشہ کی طرح کسی ملازم کو جھاڑا ہو۔ رشا اس لہجے پر سہم گئی۔ خالہ جان کے چہرے پر ناگواری آئی مگر خالو جان بیٹی ہی کو جھڑکنے لگے تاکہ بیلنس برباد ہو نہ رشتہ' پھر رات گئے جب وہ چلنے کو تیار ہوا تو خالہ جان نے ازراہ مروت ٹھہرنے کو کہا۔ خالو جان نے شکوہ کیا کہ ان کے ہوتے ہوئے وہ ہوٹل میں ٹھہرا ہے اور وہ جوان باتوں کو رد کر دینے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا اس آفت کی پرکالہ کے اصرار پر صم بکم ہو گیا۔

”پلیز نبیل بھائی! رک جایئے ناں بیچ میں اپنی فرینڈز کو آپ سے ملوانا چاہتی ہوں کہ ٹور شور بنے۔ بائی گاڈ انہیں پتا چلے گا کہ اتنا مشہور ڈرامہ ایکٹر میرا بھائی ہے تو وہ خوشی سے پاگل ہو جائیں گی۔“

”کیا مطلب؟ مزید گنجائش بھی ہے کوئی؟“ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں تو وہ خجل ہو گئی پھر خود کو سنبھال کر بولی۔

”بس اب آپ کچھ نہ کہیں' یہ طے ہے کہ آپ صبح کا ناشتہ ہمارے ساتھ کریں گے اور جب تک ریکارڈنگ ہے آپ کا قیام بھی یہیں رہے گا۔“ اس نے ہاں کہی نہ ناں۔ خاموشی سے گھر سے نکلتا چلا گیا۔ ہوٹل پہنچا تو اپنے کمرے میں بے پناہ خاموشی محسوس کی' چند گھنٹوں میں کس قدر دماغ کھا گئی تھی وہ بلا۔ اس نے سوچا۔ اندازہ لگانے کے لئے ماضی میں جھانکا تو حیرت ہوئی۔ بچپن میں کس قدر گپ چپ ہوا کرتی تھی۔ رشا۔ اتنی خاموش کہ وہ باقاعدہ اسے گونگی کہا کرتا۔ وہ باتیں کیے جاتا اور وہ سر اٹھائے آنکھوں میں استعجاب بھرے اسے تکے جاتی۔ کسی بات میں نہ ٹوکتی نہ ہی کوئی خامی نکالتی مگر اب کس قدر بولنے لگی تھی توبہ' اگر یہ یورپ میں ہوتی تو زیادہ بولنے میں اس کا نام باآسانی گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں آ چکا ہوتا۔ کس قدر سنہری موقع گنوا دیا رشا بی بی نے۔

”نہیں مگر یہ رشا ہی کے سے انداز میں کیوں سوچنے لگا ہوں' میں تو بڑا بردبار اور سنجیدہ بندہ ہوں۔“

”سنجیدہ یا مغرور؟“ کہیں قریب سے سرگوشی گونجی تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر اس سچ سے بچنے کی کوشش کرنے لگا' پہلے تو ایسا نہیں تھا لیکن آج کی ملاقات میں جس طرح اس نے ذرا سی دیر میں اس کی اسکریننگ کر ڈالی تھی۔ تجزیہ نکالا تھا۔ اس نے کچھ دیر کے لئے واقعی اسے بزل کر دیا تھا لیکن وہی خو ”آئی ڈونٹ کیئر“ نے یہ اثر زیادہ دیر رہنے نہیں دیا اور اب وہ مزے سے سو رہا تھا۔ رات بھیگ رہی تھی پھر صبح کاذب کی کرنیں نمودار ہونے پر اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ صبح اٹھنے کے لئے الارم سیٹ کرنے کا وہ شروع سے مخالف تھا۔ نیند تو ٹوٹ کر آیا کرتی تھی اسے' پھر جب ریکارڈنگز کا رش ہوتا تو راتوں کو کام کرنے کے باعث ٹائم پیس سمیت ملازمین تک کو حکم تھا کہ اپنی ٹک ٹک پر بھی قابو رکھیں لیکن یہ کون تھا جو اس وقت الارم کی طرح بج رہا تھا۔ اس نے گھور کے ٹیلی فون [illegible] کو دیکھا جس نے نیند برباد کی تھی مگر اس کی نیند اڑ جانے پر ٹیلی فون کی لائن بھی بے جان ہو چکی تھی اور یہی سب سے زیادہ خرافات تھی۔

”ہیل ودیو۔“ غصہ میں یوں ڈانٹا جیسے مخاطب سامنے ہی ہو' تسلی نہ ہوئی تو سینٹرل ٹیبل پر پڑے مارون گولڈ کے پیکٹ اور لائٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سگریٹ جلا کر یوں کش لیا جیسے جگانے والے کا خون پینے کا ارادہ ہو پھر کش پہ کش لیتا رہا۔ فجر کی اذان سنائی دی تو ایک اندر سے لہرا تھی۔

”جاگ ہی گیا ہوں تو نماز بھی پڑھ ہی لوں۔“

اعصاب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا تو سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتا ہوا کپڑے لئے باتھ روم میں جا گھسا پھر غسل کر کے تولیہ گلے میں ڈالے باہر نکلا تو وقت بہت بیت گیا تھا مگر قضا پھر بھی پڑھ ہی ڈالی۔ بستر پر آ کر لیٹا تو سوچتا رہا اب کیا کرے' نیند لانے کی کوشش بہت کی مگر آنکھوں سے اسے اچاٹ ہی پایا۔ سو الماری سے سارے کپڑے سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔ بس ایک لمحہ میں ہی فیصلہ ہو گیا بلکہ وہ ہمیشہ یونہی اچانک ہی فیصلہ کیا کرتا۔ سرپرائزنگ ٹچ دینے کی اسے عادت تھی' اس لئے ساڑھے سات بجے تک اس نے ہوٹل سے چیک آوٹ کر لیا نو بج رہے تھے۔ جب وہ خالہ کے گھر کے سامنے ٹیکسی سے اترا تھا اور بالکونی سے رشا کی قلقاری سن کر چونکا تھا۔ ڈرائیور نے ہزار کا نوٹ دیکھ کر اسے بقایا دینے کے لئے نوٹ گنے تھے مگر اس نے۔

”تم رکھ لو۔“ کا ایسا شاہانہ فرمان سنایا تھا کہ ڈرائیور خود کو کسی شاہی محل میں اسٹیج کیے جانے والا ڈرامے کا کردار سمجھنے لگا اور وہ جو حقیقت تھی اس کردار کو بھاڑ میں جھونکتی گیٹ کھول کر سامنے آ گئی اور اس نے پہلی بار نرمی سے کہا۔

”رشا! تمہیں یوں باہر نہیں نکل کے آنا چاہیے' تم ایک لڑکی ہو۔ لوگ کیا سوچیں گے۔“

رشا کے بڑھتے قدم تھم گئے۔ تیزی سے وہ اندر کی طرف بڑھتی چلی گئی پھر ناشتے کی میز لگانے تک خالہ اور خالو ہی اس سے بولتے رہے۔ رشا کو چپ لگ گئی تھی' اس نے کتنی مرتبہ ایسے جملے اچھالے جس میں تپ کر صفائی پیش کرنے کو وہ ضرور بالضرور بولتی مگر وہ چپ رہی۔ اس نے لاپروائی سے اس انداز پھر بھی کندھے اچکا دیئے اور اپنے کمرے میں اٹھ آیا جو ہمیشہ سے اس کی ماما اور پاپا کے استعمال میں رہتا تھا اور بعد میں بند کر دیا جاتا تھا لیکن اس وقت کمرے کی ہر چیز یوں نکھری ہوئی تھی جیسے کسی نے ہاتھوں سے نہیں پلکوں سے مٹی چنی ہو۔

”ٹیسٹ تو اچھا ہے بی بی رشا کا۔“

اس نے سوٹ کیس بیڈ پر پٹخ کر تعریفی کلمہ بو ریت

میں رکھ کریوں کہا جیسے رشا کی سات پشتوں پر احسان کردیا ہو۔ کوئی اور ہوتا تو شاید بھنا جاتا مگر رشا عمیر بھی اپنے نام کی ایک تھی صبح والی خاموشی توڑتی اندر گھس آئی۔ کھلے سوٹ کیس سے کپڑے اٹھانے کو آگے بڑھ آئی تو وہ بے ساختہ چونکا۔

"او لڑکی! تم انسان ہو کہ بدروح۔"

"بین بین۔ اس لئے بڑے مزے میں ہوں۔ یہ بتایئے آج کی نماز پڑھی۔"

"ہاں پڑھی تو تھی لیکن قضا۔"

کیا مطلب ٹھیک؟ وقت پر اٹھا دینے پر بھی قضا؟

آپ بہت کاہل ہو بھائی!"

اور وہ اس جملے پر کیل کانٹے سے لیس اس سے بھڑ گیا۔ صبح کی ساری تپن اس پر نکالنے بیٹھ گیا۔ وہ سنتی رہی پھر معصومیت سے بولی۔

"واہ بھائی! یہ اچھی رہی۔ ایک تو آپ کا بھلا چاہا اور آپ ہیں کہ الٹا ڈانٹ رہے ہیں۔ ہم نے تو سوچا تھا۔"

"کیا سوچا تھا تم نے اور یہ تم عمل کرنے سے پہلے سوچنے کب سے لگی ہو؟۔"

"کل سے۔" نہایت متانت سے کہا تو اسے پتنگے لگ گئے' بھنا کر بولا۔

"اچھا یہ بتایئے کہ آپ نے سوچا کیا تھا۔"

"صرف اتنا کہ اکیلے جنت میں جانے سے بہتر ہے آپ کو بھی جنت کا راستہ بتا دیا جائے۔"

"حالانکہ مجھے جنت سے آئے ابھی اتنا وقت بھی نہیں ہوا بی بی رشا! مجھے میرے اسٹائل سے جینے دو۔ یہ اپنی مرضی ٹھونسنے کے لئے کسی اور کو تلاشو۔"

"مگر کیوں؟ صبح تو بڑا بھائی بننے کی ایکٹنگ کر رہے تھے۔ اب کیا ہوا۔"

"وہ تو میں نے بس یونہی ضروری سمجھا کہ۔" وہ صبح کی بات پر بے وجہ خجالت محسوس کرنے لگا تو وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"سینئے بھائی صاحب! جس طرح آپ نے صبح جو ضروری سمجھا' وہ کیا۔ اسی طرح میرا بھی حق ہے کہ جو آپ کے لئے ضروری سمجھوں وہ کروں۔ ویسے آپ کا مدبرانہ انداز پسند بہت آیا تھا مجھے' بالکل دانشور لگ رہے تھے۔ یہ اور بات ہے دانشور پر میری ایک الگ رائے ہے۔"

"تمہیں الگ اور مختلف نظر آنے کی تو لت ہے' یہ بھی بتاتی چلو کہ تمہارے نقطہ نظر سے دانشور کون ہوتا ہے۔"

"وہی جو عام انسانوں کو زیادہ ذہانت سے بے وقوف بنا سکے۔"

"ہیر ہیر۔ کیا کہنے۔ تمہاری اپروچ تمہاری طرح بہت بلند ہے۔ چلو اب جاؤ' مجھے سونے دو۔"

اس نے باقاعدہ اسے کمرے سے دھکیلا! اور دو بجے تک سوتا رہا پھر آنکھ دروازے کی دستک سے ہی کھلی تھی۔

"آجاؤ بلائے جان! دروازہ کھلا ہے۔"

جمائی لیتا وہ تکیہ پشت کے پیچھے رکھ کر بیٹھ گیا اور رشا ٹرے میں کھانا لیے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"کھانا۔"

"جانتا ہوں۔ ادھر رکھ دو۔" صبح کے برخلاف خاصے کھردرے انداز میں کہتا واش روم کی طرف بڑھ گیا لوٹا تو کھانے سے اچھی طرح انصاف کرنے کے بعد کچن کی طرف ٹرے سمیت پلٹا۔ خالہ جان کچن میں بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں لیکن وہ غائب تھی جو اہم نہ ہوتے ہوئے بھی اہم لگنے لگی تھی۔ سو وہ اس کی اہمیت کم کرنے کو غیر اہم لفظوں سے کھانے کی تعریف کرنے لگا۔ خالہ جان پھولی نہ سمائیں۔ یہ ان کی کمزوری تھی کہ کھانے پر ایک آدھ تعریفی جملہ ضرور سننا چاہتیں۔ خالو جان اس بات کے عادی تھے اس لئے ہر کھانے کے بعد ایک کارڈ کھول لیتے پھر رشا سے کہتے۔

"کیوں رشا بیٹا! آج کس جملے کو ٹک مارک کریں۔" تو وہ ہنس پڑتی۔

"پاپا! ان تمام جملوں کو آپ کئی بار دہرا چکے ہیں۔ اب آپ کو کوئی نئی کتاب خرید لینی چاہیے۔ اماں بور ہوجائیں گی۔"

مگر اماں تعریف سے ہی تو کبھی بور نہ ہوئی تھیں۔ سو وہ بھی کتنی دیر تک لگا رہا چلتے چلتے سرسری سا بولا۔

"خالہ جان! یہ رشا کہاں ہے؟۔"

خالہ جان نے سر اٹھا کر دیکھا تو کہا۔

"گھر میں ہی ہوگی اور کہاں جانا ہے اس نے۔ آواز دے لو۔ جہاں کہیں ہوگی آجائے گی۔"

"جی اچھا۔" سرہلا کر وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کھڑکی سے واضح نظر آیا۔ وہ بڑے سے دوپٹے میں نہایت خشوع خضوع سے نماز پڑھ رہی تھی۔ اس لئے اس نے قدم روک دیے۔

اپنے کمرے میں لوٹا تو لباس بدل کر ریکارڈنگ کے لئے ٹی وی اسٹوڈیو روانہ ہوگیا۔ موڈ خاصا خوشگوار تھا لیکن جب رات گئے لوٹا تو جھلا گیا اور وہ اس کی جھلاہٹ سے بے پروا بولے گئی۔

"بتایئے ناں نبیل بھائی! وہاں اور کون کون آرٹسٹ آیا تھا؟ اداکار' اداکارائیں کون کون ہیں اس ڈرامے میں آپ کے ساتھ؟۔"

یعنی اس کے علاوہ سب خاص تھے اور اسے اسی بات سے چڑ تھی۔ شروع سے وہ ہر ایک کے لئے خاص رہا تھا ماں باپ سے لے کر زندگی اور کامیابی تک کے لئے بے حد خاص مگر یہ عام سی لڑکی اسے فیڈ آوٹ کرکے دوسرے غیر اہم لوگوں کے نام گنوانا چاہتی تھی۔ سو وہ نے تلے لہجے میں بولا۔

"اس سیریل میں مین کردار صرف میرا ہے اور یہی اہم ہے میرے لئے۔ باقی کون ہے کون نہیں۔ یہ سب غیر ضروری ہے۔"

"ارے واہ! اتنی خوش فہمی' اتنا زعم۔"

"زعم نہیں زندگی نے جو اعتماد بخشا ہے' اس کی بوائزنگ ہے' دیکھ لینا سیریل میں صرف میں ہی میں نظر آؤں گا۔"

"مجھے یقین ہے' جس تیزی سے آپ پھیل رہے ہیں اس طرح اسکرین پر صرف آپ ہی آپ دکھائی دیں گے۔"

وہ قہقہہ لگا کر ہنس بھی پڑی تو اس نے وزن کم کرنے کی قسم کھالی۔ اسمارٹ تو وہ ہمیشہ سے تھا۔ بس آج کل کچھ اپنی طرف سے لاپروا ہو گیا تھا اس لئے وزن بڑھ گیا۔ لیکن خیر وزن گھٹانا اس قدر دشوار بھی نہیں تھا' اور اس جیسے انسان کے لئے جو اپنے لفظوں پر مرمٹنے کی خو رکھتا تھا' جو اپنے ہر اسٹائل پر مغرور تھا' جو خاص تھا زندگی کے لئے' سو زندگی کو خاص بنا کر اس کی طرف نظر کرنے لگا۔ ارادہ پکا تھا اس لئے ایک ہفتے ہی میں بہت واضح فرق دیکھا۔ رشا نے بے ساختہ پشت تھپکی پھر کہا۔

"تھینک گاڈ! آپ نے اس بے لگام وزن کو کنٹرول کرلیا ورنہ میں اگلے چھ ماہ تک اتنی بزی تھی کہ کوئی میت اٹینڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔"

"کیا بکتی ہو' بھائی کے لئے ایسے جذبات۔" زبان

بے ساختہ ہی پھسل گئی تو وہ بے طرح خوش دکھائی دینے لگی اور اس نے تاثرات چھپانے کے لئے اس کی جانب پشت کرلی پھر بولا۔

"یہاں سے جاؤ پلیز۔ میں نے اسکرپٹ یاد کرنا ہے۔"

"اوکے ایز یو وش' لیکن کل کا وقت صرف میرا ہے۔"

"کیوں؟ کیوں ہے تمہارا؟ میرا وقت فالتو نہیں۔"

"فالتو لوگوں کے لئے ہوگا۔ میرے لئے تو وافر ہے ناں۔ آخر کو آپ کی خاص ہوں۔ سچ پوچھئے تو آج زبردست خوشی سیلیبریٹ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بھئی یہ اعزاز کم ہے کہ ملک کے مشہور و معروف اداکار نبیل احمد کی بہن ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔"

"اوہیں! میں نے کب کہا۔"

بس جناب' اب کہہ دیا تو پتھر کی لکیر ہوگئی یہ بات ویسے کل ایسی شخصیت سے ملوانے کا ارادہ ہے کہ آپ کے سولہ طبق روشن ہوجائیں گے۔"

"اوکے کل کی کل سہی۔ آج تو مجھے ریلیف دو۔" دروازے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی اور اس نے بنا کوشش کے سوچا۔

"آخر یہ لڑکی ہے کیا؟ پہلے بھی تو یہی رشتہ اور یہی تعلق تھا مگر کبھی اس قدر فرینک نہیں ہوئی تھی۔ اس کے خط ہمیشہ ہر ہفتے آتے لیکن کبھی اس طرح اس نے کبھی مخاطب بھی نہیں کیا مگر آج کل ان دنوں تو لگتا تھا اس نے نیا جنم لیا تھا۔ یک دم ہی کی کایا پلٹ کا راز کیا ہے؟۔ کیا ہوسکتا ہے؟ نبیل احمد......" آئینے میں ثبت اپنے عکس کو دیکھا پھر خود ہی کو وقت برباد کرنے پر لتاڑنے لگا۔ یہ لڑکی واقعی آفت ہے۔ نہ اس کو نظر انداز کرنے میں سکون ہے نہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے میں مگر اس سے جان چھوٹ جانا بھی تو ناممکن ہے۔ عادت سی ہوگئی ہے اس کی' گھر میں بے شمار ملازمین تھے' ماما' پاپا تھے مگر وہ شروع سے تنہائی پسند تھا۔ شروع سے تنک چڑھا بھی تھا۔ عام باتیں' عام لوگ تو اسے کبھی اپیل کرتے ہی نہیں تھے بلکہ وہ چھوٹا تھا تو ہر ایک کی گود میں بھی نہیں جاتا تھا اگر کوئی اسے پیار کرلیتا تو وہ گھنٹوں روتا کہ اس کالے پیلے شخص نے اس کو چوم کر اس کی خوبصورتی چرالی ہے۔ گدلی کردی ہے۔ رنگ بھی تو اس کا دودھ کی طرح سفید تھا۔ براؤن آنکھوں' کالے سیاہ گھنگھریالے بالوں' گھنی پلکوں میں وہ واقعی آفت لگا کرتا۔ لوگ تو کہتے ہی مگر وہ اپنی خوبصورتی سے خود آگاہ تھا۔ اس لئے تنہائی پسندی' لیے دیے رہنے کی عادت' غرور اور انانیت میں ڈھلتی چلی گئی اور کسی نے اسے روکا بھی نہیں۔ رہی سہی کسر شوبز میں آکر پوری ہوگئی اور سب نے سمجھ لیا غرور اس کا حق ہے لیکن یہ لڑکی ہمیشہ اس کے غرور سے ٹکرا جاتی تھی۔ پتا نہیں کیوں؟ آخر.... ٹرن ٹرن۔"

اس کے سوچتے دماغ کو جھٹکا لگا' گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اس لئے اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ ارادہ تو کیا تھا جھاڑنے کا لیکن دوسری طرف سے ہوم منسٹر کی آواز سن کر وہ مدہم پڑ گیا۔

"ہیلو مما! کیسی ہیں آپ؟"

"ہاں جی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں"

"اور آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں۔" کراس لائننگ ہوئی یہ یقیناً" دوسرے ایکسٹینشن پر رشا تھی۔

"رشا! ریسیور رکھو۔ مما نے میرے لئے فون کیا ہے۔"

"ارے واہ' کیا یہ صرف آپ کی مما ہیں؟ کیوں خالہ جان! آپ میری بھی تو کچھ لگتی ہیں ناں۔"

"اور کیا نبیل تم بہت ال مینرڈ ہوتے جارہے ہو' یہ بھی تو میری بچی ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر اسی سے بات کیجئے۔ میں جارہا ہوں ایک ضروری کام ہے۔ فرصت ملی تو فون کرلوں گا۔"

"نبیل...! تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو' اس طرح مس بی ہیو کرتے ہیں؟۔" ماما نے جھڑکا تو وہ کسمسایا۔

"آپ بھی تو دیکھئے ماما! میری جگہ اسے کیوں اہمیت دے رہی ہیں مجھے محبت شیئر کرنے کی عادت نہیں۔"

"ارے اتنی سی بات نبیل! وہ تمہاری فرسٹ کزن ہے بچے۔"

"پلیز خالہ جان! یہ ابہام دور کریں۔ کزن کا لفظ خاصا بے معنی ہے۔ ہر کوئی اپنی مرضی سے ہجے کرتا ہے۔ اس لئے کہیے تو یہ کہیے نبیل! یہ تمہاری پہلی اور آخری بہن ہے بچے۔" اس نے لہجے کی نقل بھی اتاری تو خالہ جان ہنسنے لگیں اور وہ اور تپ گیا۔

"تمہیں اپنی بہن بنانا میری کبھی خواہش نہیں رہی۔ میں صرف تنہا ٹھیک ہوں۔"

"جب بھابی آئیں گی تب بھی یہی کہیں گے کیا؟۔"

"ہاں' اسے میرے موڈ سے کنکٹ کرنا پڑے گا ورنہ انکیج ٹون اس کی قسمت بن جائے گی۔"

"توبہ ہے نبیل بھائی! آپ میں تھوڑا سا بھی رومینسزم ہے۔"

"ارے بچو! فون میں نے کیا ہے یا تم نے۔" خالہ جان کی دہائی گونجی تو وہ چپ ہوگئی۔ نبیل اکھڑے اکھڑے انداز میں باتیں کرتا رہا پھر ریسیور رکھا تو طوفان بنا اس کے کمرے میں جا پہنچا پھر غصے میں پھنکارا۔

"لڑکی! تمہارے پاس عقل نام کی کوئی چیز ہے یا وہ بھی کہیں رکھ کر بھول گئی ہو۔"

رشا نے تحیر سے دیکھا پھر ہولے سے بولی۔

"خیریت! یہ جملے کس حماقت کی طرف اشارا ہیں۔؟"

"اس حماقت کی طرف جو تم مما کے ساتھ باتوں میں کررہی تھیں۔ تمہیں شرم نہیں آتی مما کے سامنے رومینسزم کا تذکرہ کرتے ہوئے۔"

"افوہ توبہ ہے بھائی' اتنی سی بات پر اتنا ہنگامہ۔"

"یہ اتنی سی بات ہے۔"

"میرے لیے تو شاید۔ آپ بتایئے آپ رومینسزم سے کیا معنی لیتے ہیں۔؟"

"پیار محبت' ظاہر ہے یہی مطلب ہوتا ہے اس کا۔"

"لیکن محبت تو خود ایک وسیع لفظ ہے' اتنا وسیع کہ آپ جتنے گوشے وا کرتے ہیں' اتنے ہی راز سر اٹھانے لگتے ہیں۔ محبت تو بہن بھائی میں' ماں' بیٹے' باپ بیٹی میں بھی ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی ہے' محبت تو کسی کاز' کسی مقصد اور ملک سے بھی ہوسکتی ہے پھر یہ لگا بندھا کہاں کا اصول ہے' کہ رومینس کا لفظ آتے ہی سب جھجک جائیں' یقین کریں میں نے کتنوں سے پوچھا تمہاری نیچر رومینٹک ہے؟ تو یہی جواب آیا' توبہ کرو یار! ہم تو بہت سیدھے سادے ہیں' بھائی رومینٹک ہونا تو حس لطیف کا پیش خیمہ ہے اور حس لطیف تو کسی پھول' کسی لینڈ اسکیپ' کسی تحریر کو دیکھ کر بھی جاگ سکتی ہے پھر یہ ہی طے کیوں ہے کہ رومینس کا مطلب صرف لگا بندھا ایک لڑکے اور لڑکی کی محبت کی داستان کا دیباچہ ہی ہوگا حقیقت میں ہم محدود ہو کر لا محدود محبت کو چھونے' پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں پھر جب اسے خود پر آشکارا نہیں کرپاتے تو داستانیں گھڑتے ہیں۔ بے تکی' بے مطلب داستانیں حالانکہ محبت تو خود داستان ہے ایسی داستان جس کے کردار مرتے ہیں نہ ان کی محبت۔"

وہ بولتے بولتے لحہ بھر کو رکی تو نبیل احمد نے سر کو جھٹکا۔ معمولی سی بات کا اتنی تفصیل سے جواب۔ پھر بظاہر تو وہ کنونیس ہوگیا مگر اسے غیر اہم کرنے کو بولا۔

"تم بہت فضول لڑکی ہو' باتوں میں' جذبوں میں' کسی چیز میں بچت کی قائل نہیں۔"

"حالانکہ ہونا چاہیے تاکہ اس لمحے یہ سب کام آئے جب ہر طرف اندھیرا اور تنہائی ہو' اس کل کے لئے جو ہمیشہ اندھیرا لاتی ہے لیکن بھائی! پتا نہیں میں ایسا کر کیوں نہیں پاتی' شاید اس لیے کہ میں چاہتی ہوں جو بولنا ہے' بول دوں' جو سننا ہے سن لوں تاکہ پھر اس لمحے جو لمحہ جدائی ہو' کسک نہ ہو۔ کسی لفظ کسی جذبے کی ہوک نہ ہو کہ کاش یہ کہہ دیتے۔ یہ سن لیتے تو اچھا تھا۔ کیا سمجھے۔"

"یہی کہ تم سے جیتنا کار دشوار ہے۔" وہ اسے نیا اعزاز دیتا واپس لوٹ گیا۔ پھر دوسرے دن اس کی شوٹنگ صبح ہی کو تھی اس لیے شام کو وہ فارغ ہوگیا۔ سوچا تھا فراغت کا یہ تمام وقت سو کر گزارے گا لیکن شومئی قسمت رشا حسب پروگرام' حسب توقع اپنی چار پانچ سہیلیوں سمیت اس کے کمرے میں در آئی' سب بہت ایکسائیڈ تھیں مگر رشا اور ایک پری تمثال کے علاوہ۔ رشا کو تو عادت تھی اسے عام ثابت کرنے

کی مگر یہ محترمہ کون تھیں آخر جو پہلی ملاقات میں یوں مل رہی تھیں جیسے عام سے نبیل احمد کو مزید عام ثابت کرنا سب سے بڑا کار ثواب ہے لیکن وہ اس قسم کی بے تکلفی بہت کم برداشت کیا کرتا تھا۔ اس لیے جب پری تمثال نے کہا۔

"مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" تو اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"لیکن میں اس قسم کے جھوٹ کا قائل نہیں۔"

"ارے نبیل صاحب! آپ تو بڑے جولی ہیں۔" کسی اور نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو وہ تپ گیا۔

"محترمہ! جولی اور جوکر میں کتنا فرق ہے جانتی ہیں آپ؟۔"

"جی سر! جولی اور جوکر میں صرف سوچ کا فرق ہے۔" نہایت متانت سے جواب ملا تو اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

"ایک کافی نہیں تھی جو یہ مزید چار۔ اور یہ پانچویں توالامان الاماں۔"

دل کو سمجھاتا، کچھ ہولتا وہ ضروری کام کا بہانہ کر کے اٹھ گیا لیکن وہ پانچویں پری تمثال تو رشا کے ساتھ اس کی جان ہی کو آ گئی، ہر بات پر بحث کرتی ہر معاملے میں اپنی رائے دیتی اور ایسے ہر موقع پر رشا اسے تھپکی سے ضرور نوازتی۔

"ڈٹی رہو، یہ میدان صرف تمہارا ہے۔"

اس کا آخری فرمان یہی تھا لیکن سمیہ کو لگتا اس میدان کے ایک انچ پر بھی اس کا حق نہ تھا۔ نہ آئندہ کبھی ہو سکتا تھا۔ وہ جتنی حساس تھی نبیل احمد اتنا ہی اپنے آپ میں مگن خود پسندی کا شکار تھا رہی سہی کسر غرور نے پوری کر دی۔ پہلی نظر میں صرف صورت کے علاوہ وہ کسی بھی طرح چاہے جانے کے قابل نہ لگتا، لیکن اس کا کیا کیا جاتا کہ صورت سے ہٹ کر بھی اس نے اس کے ناپسندیدہ اطوار سے سمجھوتا کر لیا تھا محبت ایسی ہی ظالم چیز ہے۔ ہر سود و زیاں سے بے پروا کر دیتی ہے۔ یہ مارتی ہے، جلاتی ہے پھر ارتی ہے لیکن لوگ پھر بھی اسے ہی مسیحا مانتے ہیں، اسے ہی سولی چڑھاتے ہیں، اس کے ہی دن مناتے ہیں، نوحے پڑھتے ہیں یہ محبت واقعی بہت خود سر، خود پسند ہے۔ محبوب کے دل کی طرح، خود کو ہی چاہتی ہے، سراہتی ہے اور زعم دکھاتی ہے۔ محبت کی ریاضت کو پار لگانے والی ایثار پیشہ وفا جو تو صرف وہ ہی ہے اس سے بڑھ کر کون ہو گا۔ اور پھر جسے خود مٹ جانے کی طلب ہو، وہ اس سوانگ، اس بھیس کے کیا بخیے ادھیڑے۔ اپنے گریبان کے تاروں سے الجھ کر باقی کسی طرف دیکھنے کی فرصت ہو تو کچھ بولے۔ سو سمیہ جمیل بھی صم بکم بنی اسے تکا کرتی۔ رشا بولتی، بے تحاشا، بے تکان اور نبیل احمد در پردہ چاہتا کچھ دیر کو رشا سمیر چپ ہو تو سمیہ جمیل بھی کچھ بولے کوئی ایسا لفظ جس سے اس کی انا، اس کے غرور کو تسکین ملے لیکن ایسا موقع کم ہی آنے پاتا۔

پھر یوں ہوا کہ سیریل میں کام کے دوران سخت محنت کے باعث اسے تھکن ہو گئی تو وہ بستر پر جا گرا، جن دنوں وہ اپنا سوٹ کیس پیک کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ان دنوں وہ اپنی بیماری کے ساتھ مصروف تھا۔ سو رشا کے سخت پہرے میں تھا۔ ماما، پاپا نے سنا تو فوراً "لاہور چلے آئے۔ سمیہ جمیل اس کی خیریت دریافت کرنے ضرور آتی اب یہ رشا کی شرارت کہ اس نے سمیہ جمیل کو نبیل احمد کی پسند بنا کر پیش کر دیا اور یہی ناممکن تھا وہ کیوں اظہار کر کے چھوٹا بنے؟ آخر وہ کہے ناں کہ وہ اس کے لیے خاص ہے تو زندگی اور اپنا وجود اس کے نام کرنے میں اسے کیا تامل ہوتا لیکن اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا تھا اور رشا نے ایسے منظر نامے کھینچے تھے کہ ماما نے خالہ جان کے ساتھ مل کر سمیہ جمیل سے اس کی منگنی طے کر دی، اس نے احتجاج تو کیا لیکن ایک نہ سنی گئی، منگنی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ رشا نے خوب گلا پھاڑ پھاڑ کر گیت گائے سو دوسرے دن جب اس کی آواز ہی نکلنا دشوار ہو گئی تو وہاں کا غصہ ادھر نکالتے ہوئے وہ طنزیہ بولا۔

"اور گاؤ گانے اور گاؤ اللہ کرے تمہاری آواز ہمیشہ کے لئے ایسی ہو جائے۔"

تو بہ ہے بھائی! آپ چاہتے ہیں میری آواز ... ہی ہو جائے؟ سوچیے اگر ایسا ہو گیا تو لوگ کیا کہیں گے نبیل احمد کی بہن اور اس کی ایسی آواز۔"

"بھلا لوگ کیوں کچھ کہیں گے، لوگوں کے پاس اور بہت سے کام ہیں تم سے زیادہ اہم اور ضروری۔"

"یعنی آپ کہنا چاہتے ہیں۔ میں غیر اہم اور غیر ضروری ہوں؟۔"

"ظاہر ہے، شرطیہ یہی بات ہے۔" رشا سمیر چپ کی چپ رہ گئی پھر وہ دوسرے دن الوداعی ڈنر کر کے گھر ... تو خالہ جان کو پریشان دیکھا۔

"خیریت خالہ! کیا بات ہے؟۔"

"اے بات کیا ہو گی بیٹا! بس رشا کا گلا دکھ رہا ہے۔"

"لیجیے اتنا بولنے پر بھی کیا نہیں دکھے گا؟ اس سے کہہ دیجیے، کم بولا کرے بلکہ ٹھہریے یہ بات میں ... کہہ دیتا ہوں۔"

... میں گنگناتا ہوا وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہ سر ... گھٹنوں پر ڈالے سسکیاں بھر رہی تھی۔

"او۔ یہ کیا نئی آفت ہے بھئی۔ رویا کیوں جا رہا ہے؟۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی قریب چلا آیا۔ تو وہ اور ... زور سے رونے لگی۔

"رشا کی بچی! بتاتی ہے کہ نہیں آخر ہوا کیا ہے؟ ... کیوں رو رہی ہے؟۔"

... نے چپ ہو کر اسے دیکھا پھر بھاری آواز میں ...

"... بھائی! کیا واقعی میں آپ کی شادی پر گا نا نہیں ... سکوں گی۔"

"... ہیں، یہ اچانک میری شادی کا مسئلہ کہاں سے ... آ پڑا اور رات کے ایک بجے ہی تمہیں کیوں سوجھا ... کہ تم میری شادی پر اپنی بے سری آواز میں گانا نہیں ... گا سکو گی۔"

... کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ کر پوچھنے لگا اور وہ ... بری سا کہنے لگی۔

"... بات صرف آج کی نہیں ہے، یہ بات تو میں بہت ... دن سے سوچ رہی تھی کہ میری آواز چلی گئی تو آخر کیا نقصان ہو گا لیکن پہلے کوئی بھی معاملہ خاص نہیں لگا کرتا تھا لیکن اب سوچتی ہوں، آپ کی شادی پر ہی میں ہنڈرے کے گیت نہ گا سکی تو میری آواز کا فائدہ؟"

"خیر فائدہ نقصان تو نہ پہلے تھا نہ اب، لیکن یہ اچانک خفقان کیوں چڑھا ہے کہ تمہاری آواز تمہارا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔"

"کل آخری ٹیسٹ تھا۔"

"کس سبجیکٹ کا؟۔" حیرت سے گندم کے سوال کا چنا جواب پا کر بھی سنجیدگی سے پوچھا تو وہ پھر رونے لگی پھر ہچکیوں میں بولی۔

"کل زندگی کا ٹیسٹ تھا۔ سارے پینل ڈاکٹرز کا یہی خیال ہے کہ آواز کا باکس نکالے بغیر میری زندگی کے دن نہیں بڑھ سکتے۔"

"کیا مطلب؟ کیا بکواس ہے یہ؟۔" وہ یکدم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور رشا اس کی پریشان صورت دیکھ کر یک گونہ مسرت محسوس کرنے لگی۔

"رشا! میں پوچھتا ہوں یہ سب کیا بکواس ہے؟"

"یہ سچ ہے بھائی! اس ہفتے میں میرا آپریشن ہے آپ کو یاد نہیں رہا شاید، ایک بار میں نے اسی لیے تو کہا تھا میں زیادہ سے زیادہ اس لیے ہی بولتی ہوں تاکہ جو کہنا چاہتی ہوں کہہ سکوں جو سننا چاہتی ہوں سن سکوں، کوئی بات ان کہی نہ رہ جائے۔"

"یعنی یہ بات بہت پہلے سے کنفرم ہے لیکن مجھے تو کبھی کسی نے نہیں بتایا۔"

"آپ کو فرصت ہی کب ہوتی ہے؟ آپ خالہ جان، خالو جان کے پاس اتنی تسلی سے بیٹھے ہی کب ہوں گے جو یہ سب پتا چلتا کہ پچھلے پانچ سالوں میں میرے کتنے جان گسل ٹیسٹ کیے جا چکے ہیں، پاپا کہتے ہیں رشا میری ایک ہی بیٹی ہے اس کی آواز بھی گم ہو گئی تو ہمارے گھر کی خاموشی کا کیا ہو گا اور اماں اس لیے ہراساں منتیں مانگا کرتی ہیں کہ میں لڑکی ہوں، ایسا ہو گیا تو بھلا کون مجھے بیاہے گا اور میں خود اس لیے حیران ہوتی ہوں کہ آخر مجھے یہ کینسر ہوا ہی کیوں۔؟ میں تو اس کے ہونے کی کسی بنا سے واقف تھی نہ کبھی زندگی

میں شامل رکھا لیکن پھر بھی یہ ہو کر رہا شاید قسمت اسی کو کہتے ہیں، لیکن بھائی! یہ سب میرے ہی ساتھ کیوں ہوا میں جس نے طویل انتظار کے بعد آپ کو پایا تھا میں نے تو ابھی بہت ڈھیر ساری باتیں کرنی تھیں ناں کتنی ہی ان کہی باتیں جو بچپن سے آپ کا رعب، آپ کا سرد رویہ دیکھ کر کہنے کی تمنا کے باوجود نہ کہہ پائی تھی، ڈرتی تھی ناں آپ سے پتا نہیں کس بات پر ناراض ہو جائیں آپ لیکن جب سے یہ حادثہ زندگی میں در آیا ہے تب سے میں بہت بولڈ ہو گئی ہوں شاید اس لیے کہ میں جانتی ہوں کہ اگر آپ ناراض ہو جائیں تو اب میں چاہوں تو آپ کو منانے پر قادر ہوں۔ آپ کو منانے کا حق رکھتی ہوں ہے نا بھائی؟۔"

اس نے بڑی بڑی آنکھیں اس پر گاڑ دیں اور وہ بنا کچھ کہے سنے کمرے سے نکلتا چلا گیا، ٹیرس پر پہنچا تو دھواں دھار رونے لگا۔ ہچکیوں، سسکیوں سے۔ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ وہ کسی بات پر اتنا ٹوٹ کر رویا تھا اور وہ بھی ایک عام سی لڑکی کے لیے جس کو کبھی وہ اہمیت دینے کے قابل سمجھتا ہی نہیں تھا۔

"آخر کیا ہے اس لڑکی میں؟ کون سا سحر ہے اس میں کہ دل مڑتا نہیں اس کی طرف سے۔" دماغ نے پوچھا تو دل نے جتلایا۔

"محبت، بے حدو بے حساب محبت، عاجزی، انکساری، طمع سے پاک خلوص، وہ ہر ایک کو یوں چاہتی ہے جیسے یہ اس کا حق ہے۔ بات اس میں نہیں مخاطب میں ہے کہ وہ چاہنے پر مجبور ہوئی لیکن حقیقت تو یہی تھی کہ وہ اس دھوکے میں رکھ کر ہر ایک کو باندھ لیتی تھی، سحر پڑھ پڑھ کر پھونکتی تھی اور دل اپنا کر کے معصومیت سے کہتی تھی۔

"آپ میرے ہیں ناں۔" وہ جس طرح سب کی تھی سب کے لیے تھی، اسی طرح سب کو اپنا بنا لینا چاہتی تھی لیکن یہ سب کیا ہوا تھا بالکل اچانک اس کے ہتھیاروں میں سے سب سے موثر ہتھیار کیوں چھن رہا تھا؟ ساری شخصیت تو اس کی آواز ہی میں تھی ایسی کہ نبیل اگر چاہتا تو آنکھیں بند کر کے بھی اسے دیکھ سکتا تھا لیکن اب چاہنے کے باوجود آنکھیں کھولے وہ اسے دیکھنے کا رسک کیونکر لیتا کہ زندگی کو خاموش دیکھنے کی اس میں ہمت تھی نہ سکت اور یہ ابال وہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی سے کہہ کر نکالنا چاہتا تھا۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا دکھ کا اظہار کس قدر ضروری ہے، دکھ درد کہہ سن کر بانٹ لیے جائیں تو دل پر بوجھ کتنا کم ہو جاتا ہے مگر وہ یہ سب کس سے کہے۔

سوچتے ہوئے اچانک ہی سمیہ کا خیال آگیا تو وہ ٹیلی فون ٹیرس پر ہی لے چلا آیا۔ پاپا اور ماما سو رہے تھے، بہت گہری نیند سے انگڑائی لے کر جاگے اس درد کو اس سے شیئر کرنے بیٹھ گیا، یہ اور بات کہ سمیہ پہلے سے باخبر تھی ہر ڈاکٹر سے اپائنمنٹ میں وہ ساتھ گئی تھی اس لیے زیادہ تفصیل سے معلومات کے ساتھ ساتھ بہت ڈھیر ساری تسلی بھی اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔ وہ بار بار کہتے کہتے شدت غم سے رویا تھا اور وہ اس کے لیے ڈھارس بن بن گئی تھی، یہاں تک کہ باتیں کرتے صبح ہو گئی، اس نے ریسیور رکھا۔ کمرے میں آکر لیٹا ہی تھا کہ رشا اسے پکارتی چلی آئی۔

"بگ برادر! جلدی سے اٹھیے آج آپ کی ایک جگہ میٹنگ ہے۔"

"کیا مطلب؟ یہ میرے آنے جانے، ملنے ملانے کا شیڈول تمہارا درد سر کب سے ہوا۔"

لہجہ پہلے جیسا کرنا بھی چاہا مگر بات آئی نہیں، آواز خالی ڈھنڈار، اجڑا دیار ہو رہی تھی جہاں اندر باہر سائیں سائیں گونج رہی تھی، آنکھوں میں بے پناہ سکوت تھا تب ہی وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"آپ ہرٹ ہوئے ہیں اس خبر سے۔"

"کوئی نہیں۔" ہولے سے کہہ کر جھنجھلا کر تیز لہجے میں بولا۔

"یہ تم ہر وقت مجھے کیوں فالو کرتی ہو میری جاسوسی کیوں کرتی ہو؟ تمہیں کوئی اور کام نہیں۔ میں چاہے ہنسوں، روؤں کچھ بھی کروں۔ تمہیں کیا حق ہے میرا وقت برباد کرو، میرے لیے اہم بننے کی کوشش کرو۔"

وہ ادا سے اس کے بیڈ کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی پھر شرارت سے بولی۔

"آپ چاہیں پچھ نہیں یہ طے ہے اب آپ جیسے عام بندے کی میں بہت ہی خاص بہن ہوں، خیر ہٹایئے اس موضوع کو پھر کبھی بحث کریں گے ابھی تو تیاری پکڑیئے کیوں کہ دس بجے مشہور و معروف فلم ڈائریکٹر سید ظہور صاحب آپ سے ملنے کے لئے تشریف لانے والے ہیں۔ بظاہر تو انہوں نے مجھے بھی اپنی ایک فلم کے لئے آفر کی تھی لیکن میں نے کہا جناب میں تو فلم کی اداکاری کی ابجد سے بھی واقف نہیں اس لئے آپ میرے بھائی کو لے لیں، سنا ہے پبلک میں، شوبز میں بڑے مشہور ہیں۔"

"جیلس۔ رشا کی بچی! تم جلتی ہو میری شہرت سے۔"

"ظاہر ہے جلنا بھی چاہیے۔ یہ بھی کوئی تک ہے، ہم ساتھ چلیں اور لوگ صرف آپ سے آٹو گراف لیں، جناب آپ کی بہن ہونے کا کچھ تو مارجن ملنا چاہیے ناں ہمیں بھی۔"

"ٹھیک ہے ملنا چاہیے۔ لاؤ دو مجھے اپنا آٹو گراف" کرتے کی بائیں جیب سے آٹو گراف بک نکال لی تو وہ ہنسنے لگی۔

"ارے۔ آپ تو لگتا ہے، اس کار خیر کے لیے پہلے سے تیار تھے ویسے آٹو گراف لینے کے بعد آپ کی انانیت اور غرور کو دھچکا نہیں لگے گا؟۔ اچھا جناب گھوریئے مت۔ لائیے میں آٹو گراف دے دوں، کیا یاد کریں گے کس سخی سے پالا پڑا تھا۔"

بک تھام کر وہیں ٹیبل پر رکھ کر اسی کے قلم سے لکھنے لگی، لکھ چکی تو تھما کر بولی۔

"تنہائی میں پڑھیے گا تب ہی سمجھ میں آئے گی یہ بات، اچھا اب میں چلوں، آپ کے مہمان کے لیے بھی تو مہمانداری کی تیاریاں کرنی ہیں۔ آخر کو آپ اتنے مشہور جو ہیں بچ مینیو آپ کے حسب شان بھی تو ہونا چاہیے۔"

کہتی ہنستی وہ چلی گئی اور وہ اس کے عکس کو تکتا رہ گیا۔

یہ لڑکی جو بولتی ہے بہت ہی زیادہ، یہ اگر چپ ہو جائے تو کیسی لگے گی کسی اسٹوپا میں رکھے مجسمے کی طرح یا شاید کسی ایسے حرف کی مانند جسے یزداں نے لکھا مگر اس میں جان ڈالنا بھول گیا اور خود اسے کتنا عبور حاصل ہے کہ جس حرف پر انگلی رکھ دے، وہ دھڑک اٹھتا ہے، چمک اٹھتا ہے۔ چمکتے حرفوں کی روشنی سے بھری یہ لڑکی آواز کے بغیر دھواں دھواں لگے گی جیسے دوپہر میں کوئی چراغ جلا دے یا۔"

اس نے نظر دروازے سے ہٹا کر اپنے اسکول کے زمانے کی آٹو گراف بک پر نکا دی، اس بک میں اساتذہ سے لے کر فرینڈز تک سب ہی کے آٹو گراف تھے اور وہ جو اپنے علاوہ کسی کو اہم نہیں گردانتا تھا۔ اتنی غیر اہم آٹو گراف بک کو ہمیشہ اپنی جیب میں رکھتا۔ تنہائی ملتی تو اساتذہ کی نصیحتیں پڑھتا، دوستوں کی دلداریاں، تسلی اور حوصلے سے اپنے لئے نئے نئے جہاں تلاشتا۔

لیکن کس قدر حیرت ناک بات تھی کہ اس آٹو گراف بک میں اس صدی کی سب سے حیرت ناک لڑکی کے آٹو گراف بھی ثبت تھے جسے ہمیشہ اس نے نظر انداز کیا لیکن اب وہ یہاں سے وہاں تک نظر ہی نظر بن کر ٹھہر گئی تھی۔ پلکوں سے اس نے عبارت کو پھر سے پڑھا۔ بشریٰ رحمان کا گیان بولتا تھا۔

"ساری زندگی دوسروں کو آزار پہنچاتے رہو یا مسیحا بن کر انسانیت کے جسم سے کانٹا کانٹا چنتے رہو، شام ہو ہی جاتی ہے۔ سو بگ برادر! کیا یہ بہتر نہیں ہم انسانیت اور محبت کے لیے مٹ جائیں تاکہ جب یہ ازل کا فیصلہ ہو، شام کا سورج غروب ہو تو ہماری مٹھیوں سے محبت کی روشنی انعکاس کرے، ہمارے راستے، ہمارے دل منور کرتی چلی جائے بائی گاڈ بھائی! دنیا میں سب سے غیر اہم کام کسی سے محبت کرنا ہی لگتا ہے لیکن کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی مقام پر کھلتا ضرور ہے کہ وہ جو ہم انرجی برباد کر رہے تھے دراصل وہی تو ہمارا ڈائنمو تھا۔ کیا سمجھے؟۔"

وہی اپنا خاص انداز آخر میں دکھا گئی تو مسکراتے مسکراتے پھر سے آنکھیں بھگو بیٹھا، یہاں تک کہ ناشتا کر لیا تو باہر چہل دی کے لئے نکل گیا۔ دوپہر ایک بجے لوٹا، دروازے سے داخل ہی ہوا تھا کہ رشا نے

ے ہی میں روک لیا پھر غصے سے بولی۔

"آپ کو جب صبح بتادیا تھا تو پھر وقت کی اتنی گی؟ سوچیے ظہور صاحب پر کتنا غلط امپریشن پڑا سوچتے ہوں گے یہ ہیرو تو ابھی سے اتنا اکڑو ہے اسکرین پر نمودار ہو گیا تو بالکل ہی گھاس نہ ڈالے

"کیا مطلب؟ کیا صبح والی بات سچ تھی؟" اس نے سے دیکھا تو وہ اور تپ گئی۔

"کیا مطلب؟ کیا آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ دیکھیے نے شرارت کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

"اوکے۔ تم چلو' میں ذرا حلیہ درست کرکے آتا ہوں۔"

"کیوں؟ اس حلیہ میں کیا ہوا۔ اچھے خاصے لگ رہے ہیں۔ سید ظہور صاحب سنا ہے دل کے بڑے ور ہیں اگر تیار ہو کر آگئے تو ان پر بجلیاں گر جائیں' وہیں دل تھام کر رہ جائیں گے بیچارے۔ کیا ہے۔"

"یہی کہ تم ضرورت سے زیادہ اسٹوپڈ ہو۔"

وہ ہولے سے اس کے سر پر چپت لگا کر اس کی ے کا احترام کرتا محض بالوں کو ہاتھ سے سیٹ کرتا نگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں پاپا' ماما' خالہ ن' خالو جان سب ہی سید ظہور صاحب پر ریشہ خطمی رہے تھے۔

کو اتنے مشہور و معروف فلم ڈائریکٹر و مصنف تھے ور بات کہ لوگ کہتے تھے اگر کسی دن بجلی چلی جائے ظہور صاحب ایک لائن نہیں لکھ سکتے۔ پوچھا گیا وں تو جواب ملا اس لیے کہ وی سی آر بجلی سے چلتا ' اور ایک فلم لکھنے کے لیے دس فلمیں جو دیکھنی ی ہیں۔ لیکن بہرحال اس سے قطع نظر آج کل یہ بہت ان تھا' اس لیے جمیل احمد نے بصد خلوص فلم سائن کر ہی لی۔ کچھ باتیں ظہور صاحب نے ھیں تو کچھ باتیں جمیل احمد نے' یوں فلم کا مہورت ے مہینے کی سترہ تاریخ کو طے پایا۔ اگست کی سترہ اس جنم دن بھی تھا' اس لیے وہ اسے ایک نئے تناظر میں رہا تھا۔ پاپا بزنس کی وجہ سے واپس لوٹ گئے تھے

لیکن ماما اس تقریب میں شریک ہونے کے لیے رک گئی تھیں بلکہ سچ تو یہ تھا کہ وہ محض رشا کے آپریشن کے لیے یہاں ٹھہری تھیں تاکہ بہن کا غم اور پریشانی بانٹ سکیں' رہا نبیل تو وہ تو آج کل ہواؤں میں تھا' قسمت کی دیوی خود اس کے دروازے پر دستک دینے آئی تھی اور یہ بچپن سے کچھ خاص عنایت تھی اس پر کہ وہ جو کامیابی چاہتا' وہ تو مل ہی جاتی لیکن جو ذہن کے کسی گوشے میں نہ ہوتی کامرانی کی صورت وہ بھی اس کی جھولی میں آگرتی' اسے مزید احساس فخر میں مبتلا کرتی ہوئی کہ تم خاص ہو لیکن اس کی سوچ جتنی اس نقطہ نما لفظ پر آکر پھیرے لیتی تھی اتنا ہی سب اسے سرسری لیتے۔ وہ تو تمام ہی لوگ جن سے اسے سب سے زیادہ تعریف و توصیف کی امید ہوتی' وہ چاہتا کہ شوبز کے دیگر افراد کی طرح گھر والے بھی اسے بہت مختلف انداز میں ٹریٹ کریں لیکن ان سب کے لیے تو وہ بیٹا بھانجا اور بھائی تھا' اس لیے عام سی بات تھی۔ مگر سمیہ جمیل کے لیے تو وہ خاص تھا۔ ایک خاص حیثیت تھی اس کی اس کے لیے لیکن اور سبھوں کی طرح وہ بھی اسے بہت سرسری' بہت عام سے انداز میں لیتی یہی اسے کھلتا مگر کہہ کر وہ اپنے لفظ نہیں کھونا چاہتا تھا۔ امید رکھتا تھا کہ وقت اسے خود خاص ثابت کرے' سو اب اتنا بڑا معرکہ مارا تھا تو پہلی فرصت میں اس نے فون کھڑکا دیا تھا' اس کا خیال تھا یہ اطلاع ملتے ہی گھنٹوں نہیں تو منٹوں تک سمیہ سے کوئی بات ہی نہ ہو پائے گی۔ وہ اس کی شہرت مقبولیت کا حساب کتاب کرنے میں اتنی محو ہو جائے گی کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں رہے گا لیکن اس نے سنا تو بہت آرام سے عام سے انداز میں وش کردیا۔

"اب فلم میں کام کرو گے؟ اچھا ہے اب فلم انڈسٹری میں واقعی نیا خون اور پڑھے لکھے لوگوں کو آنا چاہیے تب ہی اس کی گرتی ساکھ سنبھلے گی۔"

اس نے یوں کہا جیسے بہت سے لوگوں میں وہ بھی ایک غیر ضروری انسان ہو جہاں اور بہت سے لوگ آمیں گے' وہ بھی اس بھیڑ میں شامل ہو گیا ہے حالانکہ اس بھیڑ میں بھی دور تک نظر آنے کی ہوس تھی۔

"جلتی ہو مجھ سے' میری شہرت سے تم بھی جلتی ہو۔"

اپنے تئیں اس نے دل ہی دل میں فیصلہ سنادیا اور کام میں لگ گیا۔ فوٹو سیشن تھے۔ بے شمار پارٹیز تھیں جن میں وہ کسی نئے نویلے دولہا کی طرح سج بن کے جاتا اور لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے بلکہ سید ظہور کی پہلی فلم آن کے سیٹ پر جانے سے پہلے ہی اس کی پرکشش پرسنالٹی' اسٹائل سے متاثر ہو کر دس پانچ فلمیں اور اس کے پاس چلی آئی تھیں اس نے بہت غور و خوض کے بعد صرف پانچ فلموں میں اپنے کردار سے مطمئن ہو کر فلم سائن کی شوبز اس کے لیے نیا نہیں تھا' پچھلے چھ سال سے وہ اس شعبے میں تھا۔ اس لیے ہر اونچ نیچ سے واقف تھا اور واقعی بہت کامیاب بھی لیکن ابھی وہ اپنی کامیابی کے نشے میں صحیح طرح ڈوبا بھی نہیں تھا کہ رشا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو گئی' نئے سرے سے ٹیسٹ ہوئے۔ آپریشن' فکس ڈیٹ سے اور ہونے پر سارے ہی ڈاکٹرز بہت چراغ پا تھے۔ کنڈیشن بہت خراب ہو گئی تھی اور وہ پھنسے پھنسے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"انکل! آپریشن سے اہم بھائی کی پارٹیز تھیں۔ ان کا کیریر تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں انہیں تنہا چھوڑ دیتی اس جوکھم میں۔" اس نے سنا تو تڑپ کے رہ گیا۔ واقعی اگر رشا نہ ہوتی تو گھر میں جو پارٹیز دیں' اس نے جو لباس پہنے' جس جس طرح مصروف رہا' وہ ہر گز یہ افورڈ نہ کرسکتا۔

رشا ان چند ہفتوں میں اس کی ہم زاد بن گئی تھی۔ پسند و ناپسند' اہم اور غیر اہم سب ہی اس کو' اس کے مزاج کے مطابق ازبر تھے اور ایک وہ تھا اپنی مصروفیتوں میں اتنی اہم بات بھول گیا۔ وہ بولتی ہی اتنا جاندار تھی کہ اسے گمان ہی نہیں ہوا کہ یہ آواز تھک بھی سکتی ہے یا تھک گئی ہے مگر اب کس قدر مسائل بڑھ گئے تھے۔

وہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے خود ڈسکشن کرنے بیٹھ گیا۔ سب نے آخری حل آپریشن ہی بتایا انٹرنیٹ پر اس نے یورپ تک کے ماہر ڈاکٹرز سے اس کی رپورٹز پر

رائے مانگی' وہاں سے بھی یہی ایک جواب آیا تو آپریشن کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دیر تو پہلے ہی بہت ہو گئی تھی سو وہ آپریشن کے لیے لے جائی گئی اور اس کی جان کہیں سینے کے اندر ہی اٹک گئی۔

"ففٹی ففٹی چانس' مکمل طور پر اسے ہراساں کررہا تھا۔ بلڈ کی دستیابی' دوا' دعا وہ سب ہی کے لیے تنہا مارا مارا پھر رہا تھا حالانکہ وہ ان سب چیزوں سے سدا کا بیر رکھتا تھا۔ آج تک اس نے اپنے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ ہل کر پانی نہ پینے والوں میں سے تھا' مگر اب گھن چکر بنا ہوا تھا' تو تھکنے کے باوجود استقامت سے کھڑا تھا۔ پہلے کئی لب اس کے لیے دعاگو رہتے تھے تو اسے کبھی ان کی اہمیت سے آگاہی نہ رہی' اب وہ اس کی زندگی کے لیے دعاگو تھا تو ہر طرف اپنی دعا کی بازگشت ہی سنائی دے رہی تھی۔ باقی سارے منظر' ساری چیزیں منہا ہو گئی تھیں' ٹک ٹک کرکے پھر جانے کتنا ہی وقت بیت گیا جب اچانک دروازہ کھلا۔ پاپا نے آگے بڑھ کر خیریت پوچھی تو ڈاکٹر نے کاندھا تھپتھپایا۔

"گھبرائیے نہیں سمیر صاحب! آپریشن کامیاب رہا۔"

دل پر سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا لیکن ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ آواز کے اس نقصان پر آپریشن کی کامیابی کی خوشی منائیں یا چھاجوں آنسو رولیں سب صم بکم کھڑے تھے جب پرائیوٹ روم میں شفٹ

راستے ہی میں روک لیا پھر غصے سے بولی۔

”آپ کو جب صبح بتادیا تھا تو پھر وقت کی اتنی بے قاعدگی؟ سوچیے ظہور صاحب پر کتنا غلط امپریشن پڑا ہوگا' سوچتے ہوں گے یہ ہیرو تو ابھی سے اتنا اکڑو ہے سلور اسکرین پر نمودار ہوگیا تو بالکل ہی گھاس نہ ڈالے گا۔“

”کیا مطلب؟ کیا صبح والی بات سچ تھی؟۔“ اس نے حیرت سے دیکھا تو وہ اور تپ گئی۔

”کیا مطلب؟ کیا آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ دیکھئے میں نے شرارت کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا۔“

”اوکے۔ تم چلو' میں ذرا حلیہ درست کرکے آتا ہوں۔“

”کیوں؟ اس حلیہ میں کیا ہوا۔ اچھے خاصے لگ رہے ہیں۔ سید ظہور صاحب سنا ہے دل کے بڑے کمزور ہیں اگر تیار ہو کر آگئے تو ان پر بجلیاں گر جائیں گی' وہیں دل تھام کر رہ جائیں گے بیچارے۔ کیا سمجھے۔“

”یہی کہ تم ضرورت سے زیادہ اسٹوپڈ ہو۔“

وہ ہولے سے اس کے سر پر چپت لگا کر اس کی رائے کا احترام کرتا محض بالوں کو ہاتھ سے سیٹ کرتا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں پاپا' ماما' خالہ جان' خالو جان سب ہی سید ظہور صاحب پر ریشہ خطمی ہو رہے تھے۔

آخر کو اتنے مشہور و معروف فلم ڈائریکٹر و مصنف تھے یہ اور بات کہ لوگ کہتے تھے اگر کسی دن بجلی چلی جائے تو ظہور صاحب ایک لائن نہیں لکھ سکتے۔ پوچھا گیا کیوں تو جواب ملا اس لئے کہ وی سی آر بجلی سے چلتا ہے' اور ایک فلم لکھنے کے لئے دس فلمیں جو دیکھنی پڑتی ہیں۔ لیکن بہرحال اس سے قطع نظر آج کل یہ نام بہت ان تھا' اس لئے جمیل احمد نے بصد خلوص پہلی فلم سائن کرہی لی۔ کچھ باتیں ظہور صاحب نے مانی تھیں تو کچھ باتیں جمیل احمد نے یوں فلم کا مہورت اگلے مہینے کی سترہ تاریخ کو طے پایا۔ اگست کی سترہ اس کا جنم دن بھی تھا' اس لئے وہ اسے ایک نئے تناظر میں دیکھ رہا تھا۔ پاپا بزنس کی وجہ سے واپس لوٹ گئے تھے لیکن ماما اس تقریب میں شریک ہونے کے لیے رک گئی تھیں بلکہ سچ تو یہ تھا کہ وہ محض رشا کے آپریشن کے لیے یہاں ٹھہری تھیں تاکہ بہن کا غم اور پریشانی بانٹ سکیں' رہا جمیل تو وہ تو آج کل ہواؤں میں تھا' قسمت کی دیوی خود اس کے دروازے پر دستک دینے آئی تھی اور یہ بچپن سے کچھ خاص عنایت تھی اس پر کہ وہ جو کامیابی چاہتا' وہ تو مل ہی جاتی لیکن جو ذہن کے کسی گوشے میں نہ ہوتی کامرانی کی صورت وہ بھی اس کی جھولی میں آگرتی' اسے مزید احساس فخر میں مبتلا کرتی ہوئی کہ تم خاص ہو لیکن اس کی سوچ جتنی اس نقطہ نما لفظ پر آکر پھیرے لیتی تھی اتنا ہی سب اسے سرسری لیتے۔ وہ تو تمام ہی لوگ جن سے اسے سب سے زیادہ تعریف و توصیف کی امید ہوتی' وہ چاہتا کہ شوبز کے دیگر افراد کی طرح گھر والے بھی اسے بہت مختلف انداز میں ٹریٹ کریں لیکن ان سب کے لیے تو وہ بیٹا بھانجا اور بھائی تھا' اس لیے عام سی بات تھی۔

مگر سمیہ جمیل کے لیے تو وہ خاص تھا۔ ایک خاص حیثیت تھی اس کی اس کے لیے لیکن اور سبھوں کی طرح وہ بھی اسے بہت سرسری' بہت عام سے انداز میں لیتی یہی اسے کھلتا مگر کہہ کر وہ اپنے لفظ نہیں کھونا چاہتا تھا۔ امید رکھتا تھا کہ وقت اسے خود خاص ثابت کرے' سو اب اتنا بڑا معرکہ مارا تھا تو پہلی فرصت میں اس نے فون کھڑکا دیا تھا' اس کا خیال تھا یہ اطلاع ملتے ہی گھنٹوں نہیں تو منٹوں تک سمیہ سے کوئی بات ہی نہ ہو پائے گی۔ وہ اس کی شہرت مقبولیت کا حساب کتاب کرنے میں اتنی محو ہو جائے گی کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں رہے گا لیکن اس نے سنا تو بہت آرام سے عام سے انداز میں وش کردیا۔

”اب فلم میں کام کرو گے؟ اچھا ہے اب فلم انڈسٹری میں واقعی نیا خون اور پڑھے لکھے لوگوں کو آنا چاہیے تب ہی اس کی گرتی ساکھ سنبھلے گی۔“

اس نے یوں کہا جیسے بہت سے لوگوں میں وہ بھی ایک غیر ضروری انسان ہو جہاں اور بہت سے لوگ آئیں گے' وہ بھی اس بھیڑ میں شامل ہوگیا ہے حالانکہ اس بھیڑ میں بھی دور تک نظر آنے کی ہوس تھی۔

”جلتی ہو مجھ سے' میری شہرت سے تم بھی جلتی ہو۔“

اپنے تئیں اس نے دل ہی دل میں فیصلہ سنادیا اور کام میں لگ گیا۔ فوٹو سیشن تھے۔ بے شمار پارٹیز تھیں جن میں وہ کسی نئے نویلے دولہا کی طرح سج بن کے جاتا اور لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے بلکہ سید ظہور کی پہلی فلم آن کے سیٹ پر جانے سے پہلے ہی اس کی پرکشش پرسنالٹی' اسٹائل سے متاثر ہو کر دس پانچ فلمیں اور اس کے پاس چلی آئی تھیں اس نے بہت غور و خوض کے بعد صرف پانچ فلموں میں اپنے کردار سے مطمئن ہو کر فلم سائن کی شوبز اس کے لیے نیا نہیں تھا' پچھلے چھ سال سے وہ اس شعبے میں تھا۔ اس لیے ہر اونچ نیچ سے واقف تھا اور واقعی بہت کامیاب بھی لیکن ابھی وہ اپنی کامیابی کے نشے میں صحیح طرح ڈوبا بھی نہیں تھا کہ رشا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوگئی' نئے سرے سے ٹیسٹ ہوئے۔ آپریشن' فکس ڈیٹ سے اور پر ہونے پر سارے ہی ڈاکٹرز بہت چراغ پا تھے۔ کنڈیشن بہت خراب ہوگئی تھی اور وہ پھنسے پھنسے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”انکل! آپریشن سے اہم بھائی کی پارٹیز تھیں۔ ان کا کیریر تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں انہیں تنہا چھوڑ دیتی اس جوکھم میں۔“ اس نے سنا تو تڑپ کے رہ گیا۔ واقعی اگر رشا نہ ہوتی تو گھر میں جو پارٹیز دیں' اس نے جو لباس پہنے' جس جس طرح مصروف رہا' وہ ہرگز یہ افورڈ نہ کرسکتا۔

رشا ان چند ہفتوں میں اس کی ہم زاد بن گئی تھی۔ پسند و ناپسند' اہم اور غیر اہم سب ہی اس کو' اس کے مزاج کے مطابق ازبر تھے اور ایک وہ تھا اپنی مصروفیتوں میں اتنی اہم بات بھول گیا۔ وہ بولتی ہی اتنا جاندار تھی کہ اسے گمان ہی نہیں ہوا کہ یہ آواز تھک بھی سکتی ہے یا تھک گئی ہے مگر اب کس قدر مسائل بڑھ گئے تھے۔

وہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے خود ڈسکشن کرنے بیٹھ گیا۔ سب نے آخری حل آپریشن ہی بتایا انٹرنیٹ پر اس نے یورپ تک کے ماہر ڈاکٹرز سے اس کی رپورٹ زیر رائے مانگی' وہاں سے بھی یہی ایک جواب آیا تو آپریشن کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ویسے تو پہلے ہی بہت ہو گئی تھی سو وہ آپریشن کے لئے لے جائی گئی اور اس کی جان کہیں سینے کے اندر ہی اٹک گئی۔

”ففٹی ففٹی چانس' مکمل طور پر اسے ہراساں کررہا تھا۔ بلڈ کی وستیابی' دوا' دعا وہ سب ہی کے لیے تنہا مارا مارا پھر رہا تھا حالانکہ وہ ان سب چیزوں سے سدا کا بیر رکھتا تھا۔ آج تک اس نے اپنے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ ہل کر پانی نہ پینے والوں میں سے تھا' مگر اب گھن چکر بنا ہوا تھا' تو تھکنے کے باوجود استقامت سے کھڑا تھا۔ پہلے کئی لب اس کے لیے دعا گو رہتے تھے تو اسے کبھی ان کی اہمیت سے آگاہی نہ رہی' اب وہ اس کی زندگی کے لیے دعا گو تھا تو ہر طرف اپنی دعا کی بازگشت ہی سنائی دے رہی تھی۔ باقی سارے منظر' ساری چیزیں منہا ہوگئی تھیں' ٹک ٹک کرکے پھر جانے کتنا ہی وقت بیت گیا جب اچانک دروازہ کھلا۔ بابا نے آگے بڑھ کر خیریت پوچھی تو ڈاکٹر سے نے کاندھا تھپتھپایا۔

”گھبرایئے نہیں سمیر صاحب! آپریشن کامیاب رہا۔“

دل پر سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا لیکن ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ آواز کے اس نقصان پر آپریشن کی کامیابی کی خوشی منائیں یا چھاجوں آنسو روئیں سب صم بکم کھڑے تھے جب پرائیویٹ روم میں شفٹ

ہونے کے بعد سب سے پہلے وہ اس سے ملنے گیا۔ وہ بے سدھ سو رہی تھی۔ تب اچانک اسے لگا اس کی شخصیت محض آواز ہی نہیں تھی اس کے خال وخد کی ایک ایک لکیر اس کی شخصیت کی سب سے مضبوط دلیل تھی۔ وہ باتونی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے چہرے کی لکیریں باتونی نہ ہوں مگر وہ سہانی آواز' وہ زندگی سے بھرپور آواز پھر کب' کیسے سنی جائے گی کیسے بھولے گی؟ کانوں میں ابھی تک گونجتی تھی ایسے کہ کچھ اور سنائی ہی نہ دیتا تھا۔

"رشا! آئی لو یو سو مچ بہنا!"

یکدم ہولے سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر دل کو اس غم کے چنگل سے نکالنے کی سعی کی مگر ناکام رہا۔

پھر وہ روبہ صحت تھی جب اس کی فلم کا مہورت دن آپہنچا تھا۔ خالہ جان بیٹی کے لیے ہراساں سی تھیں اور وہ گھر کا کونہ کونہ سجا رہی تھی آج اس کی سالگرہ بھی تو تھی۔ خاص آج کے دن بابا رات کی فلائٹ سے لاہور آپہنچے تھے۔ وہ بڑے اہتمام سے تیار ہو رہا تھا۔ پوری فیملی اس دن اس کے لیے گھر پر منتظر تھی اور اسٹیج پر فلم کا سب سے اہم سین شوٹ ہو رہا تھا۔ یہ ایک فلم ایکٹر کی زندگی پر مبنی فلم ہی تھی سو وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔

"خاص وہ نہیں ہوتا نینا! جسے دنیا خاص سمجھے بلکہ خاص تو وہ ہوتا ہے جسے اس کا محبوب خاص گردانے۔ میں چاہے کچھ بھی ہوں' دنیا مجھے چند دن میں بھول جائے گی کیونکہ یاد رکھنے کو اور بھی بہت کچھ ہے اس کے پاس۔ یہاں کوئی چیز پائیدار نہیں نینا! سوائے محبت کے۔ سو میرے لیے یہ کیا کم ہے کہ ان آنکھوں کی یہ محبت انمٹ ہے۔ صرف میری ہے۔ میرے ہر دکھ سکھ میں میری نینا میں پہلے واقعی عام تھا مگر خاص تو اب ہوا ہوں' کسی کا ہو جانے میں کسی اپنے سے ہار جانے میں واقعی بڑی لذت ہے۔"

"کٹ۔" ظہور صاحب کی آواز سنائی دی تو وہ ہوش و خرد میں لوٹ آیا۔ سب اس کی مہارت' اس کی فن کارانہ صلاحیتوں کی مدح سرائی میں مصروف تھے' اداکارائیں اس پر سو جان سے فدا ہو رہی تھیں مگر وہ تقریب کے اختتام سے پہلے ہی بچتا بچاتا گھر پہنچ گیا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" یکدم رشا کی دلکش آواز گونجی تو حیرت سمیٹے تیزی سے ڈرائنگ روم میں در آیا۔ ڈیک پر کیسٹ چل رہا تھا اور وہ خاموش کھڑی تھی۔

"رشا۔" اس نے بے ساختہ اسے خود سے لگا کر چمکارا اور وہ رونے لگی۔

آنکھوں میں حسرت تھی کہ وہ اسے اپنے انداز میں وش کرتی مگر اب صرف لفظ ہی اس کی دسترس میں تھے سو اس نے آواز سے دست کش ہو کر پھول اور کارڈ اس کی طرف بڑھائے' مسرتوں سمیت اس نے کارڈ تھاما پھولوں کی خوشبو خود میں بسائی پھر کیک تک پہنچا ہی تھا کہ سمیہ جمیل والدین کے ساتھ ڈرائننگ روم کی دہلیز پر آرکی۔ اس کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں اور وہ سوچ رہی تھی' آج کے موقع کے لئے کون سا ایسا خاص جملہ کہے کہ نبیل احمد اس دن اس سے خفا نہ ہو۔

"ہپی برتھ ڈے ٹو یو نبیل۔" گلدستہ اس کی طرف بڑھایا۔ سب ایک دوسرے میں مگن تھے' تب ہی وہ کان کے قریب گنگنایا۔

"میں بہت عام ہوں' خاص ہو سکتا ہوں اگر تم قبول کر لو۔"

جگمگاتی روشن آنکھیں اس پر جم گئیں' ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ تیرنے لگی۔ جب اس نے بے شمار لوگوں کی تالیوں میں کیک کاٹا اور مسرت سے اپنے خاص چاہنے والوں کی لسٹ کو فخر سے دیکھا جو اس جیسے عام شخص کو چاہ کر خاص بنانے پر تلے ہوئے تھے جیسے پارس نے مٹی کو چھو کر کندن کر دیا تھا۔ ایسے ہی محبت نے چھو کر اسے مجسم محبت کر دیا تھا اور آج کے کال میں محبت کرنا اور پالینا ہی تو سب سے خاص واقعہ ہے جسے نہ دل بھولتا ہے نہ تاریخ۔

